ماہنامہ

اشراق

لاہور

جولائی ۲۰۱۷ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

"ایمان کے لیے صرف خدا کو مان لینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ خدا ہی کو اپنا رب، پروردگار اور آقا و مالک بھی مانے۔ اگر کوئی شخص اللہ کا اقرار کرتا ہے، لیکن رب دوسروں کو بھی مانتا ہے تو وہ مشرک ہے۔ اور یہ شرک بھی کفر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مال و جاہ پر مغرور ہے، اُس کو اپنی قابلیت کا ثمرہ و نتیجہ اور اپنے استحقاق ذاتی کا کرشمہ خیال کرتا ہے اور یہ خنّاس اُس کے دماغ میں سمایا ہوا ہے کہ اُس کو اُس سے کوئی چھین نہیں سکتا تو یہ بھی شرک ہے، اِس لیے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو خدا کی خدائی میں ساجھی سمجھتا ہے۔"

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن وسنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشرو اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن وسنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جلد ۲۹ شمارہ ۷ جولائی ۲۰۱۷ء شوال المکرم/ ذوالقعدہ ۱۴۳۸ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

فہرست

شذرات

علما کی اصل ذمہ داری — سید منظور الحسن — ۴

اہل دعوت کا مسئلہ — ″ — ۶

قرآنیات

البیان: الکہف ۱۸: ۲۷-۴۹ (۳) — جاوید احمد غامدی — ۹

معارف نبوی

دوزخ کے اعمال (۳) — جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس — ۱۶

سیر و سوانح

حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ — محمد وسیم اختر مفتی — ۲۷

مقالات

الحاد جدید اور ہم — ساجد حمید — ۳۳

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۳) — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۶۳

فی شمارہ 30 روپے

سالانہ 300 روپے

رجسٹرڈ 700 روپے

(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک

سالانہ 30 ڈالر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

شذرات

سید منظور الحسن

علما کی اصل ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے علما پر جو ذمہ داری عائد کی ہے، وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو 'انذار' کریں، یعنی آخرت کے عذاب سے خبردار کریں۔ ارشاد فرمایا:

''اور سب مسلمانوں کے لیے تو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اِس کام کے لیے نکل کھڑے ہوتے، لیکن ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُن کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو انذار کرتے، جب (علم حاصل کر لینے کے بعد) اُن کی طرف لوٹتے، اِس لیے کہ وہ بچتے۔'' (التوبہ ۹: ۱۲۲)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

انذار کی اس عظیم ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ علما لوگوں کو شرک کی آلایشوں سے بچا کر توحید کی صراط مستقیم پر گامزن کرنے کی کوشش کریں۔ انھیں نبوت و رسالت کے حقائق سے آگاہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے لیے ان کی تربیت کا اہتمام کریں۔ آخرت پر ان کے ایمان کو مستحکم کرنے کی سعی کریں اور انھیں دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ انھیں بتائیں کہ یہ دنیا محض ایک آزمایش گاہ ہے جسے ایک روز ختم ہو جانا ہے۔ اس دنیا میں انسان کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی ابدی دنیا کے لیے صالح نفوس کو تیار کیا جا سکے، خدا کے قائم کردہ حدود کا پاس کرنے والوں اور ان کو توڑنے والوں میں امتیاز کیا جا سکے، اللہ کے فرماں برداروں اور اس سے سرکشی کرنے والوں کو الگ الگ کیا جا سکے اور پھر پاک نفس والے مطیع انسانوں سے جنت کو بسایا جائے اور آلودہ نفس والے سرکش انسانوں کو دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ ان حقائق کی مسلسل تذکیر و نصیحت ہی علما کی اصل ذمہ داری ہے۔

اس ذمہ داری کو ادا کرتے وقت انھیں اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود کا لازماً پاس کرنا چاہیے۔ اس

ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تذکیر و نصیحت اور یاد دہانی ہی تک محدود رکھیں۔ اس سے آگے بڑھ کر کسی زبردستی، کسی دھونس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی گنجایش نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ گنجایش اگر دینی ہی ہوتی تو ان ہستیوں کو دیتا جو اپنی ذات کے تزکیے میں سب سے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں، لوگوں کی اخروی نجات کے لیے جن کی تڑپ بے کراں تھی، جن کی بات بلاغ مبین تھی اور جن سے خدا براہ راست کلام کرتا تھا۔ ان برگزیدہ ہستیوں کو تو واضح طور پر یہ کہہ دیا گیا کہ:

''تم یاد دہانی کیے جاؤ۔ تم بس یاد دہانی کرنے والے ہو۔ تم ان پر کوئی داروغہ نہیں ہو۔'' (الغاشیہ ۸۸: ۲۱-۲۲)

''تم جن کو چاہو، انھیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جنھیں چاہتا ہے، (اپنے قانون کے مطابق) ہدایت دیتا ہے۔ اور وہی بہتر جانتا ہے ان کو جو ہدایت پانے والے ہیں۔'' (القصص ۲۸: ۵۶)

''تم اگر ان کی ہدایت کے لیے حریص ہو تو اللہ ان کو ہدایت نہیں دیا کرتا، جنھیں وہ (اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کر دیتا ہے اور اس طرح کے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔'' (النحل ۱۶: ۳۷)

ظاہر ہے کہ اگر انبیا کا کام محض تذکیر و یاد دہانی تک محدود ہے تو ان کی اتباع میں کھڑا ہوا ایک عالم دین اس سے آگے کیونکر بڑھ سکتا ہے۔ اس کا کام تو بس یہی ہے کہ وہ قرآن و سنت کے پیغام کو اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرتے ہوئے لوگوں تک پہنچا دے۔ اس کی زبان شیریں ہو، اس کا استدلال مضبوط ہو، اس کا انداز خیر خواہانہ ہو، اس کی تنقید شایستہ ہو۔ دعوت کا یہ اسلوب ہی دلوں میں گھر کرتا اور بنجر زمینوں میں بھی روئیدگی کے آثار پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اسلوب اختیار کر لینے کے بعد پھر اس کی ضرورت نہیں رہتی کہ نظریاتی مخالفین کے وجود کو مٹا دیا جائے، بلکہ اگر اللہ کو منظور ہو تو مخالفین کا وجود آہستہ آہستہ ان کے لیے سراپا نصرت و تعاون بن جاتا ہے۔

لیکن یہ شاید پوری امت کا المیہ ہے کہ دین کے علم برداروں کی اکثریت اپنی اصل ذمہ داری سے گریزپا نظر آتی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے توحید اور رسالت کے حقائق سے لوگوں کو آگاہی اور آخرت کی جواب دہی کے لیے لوگوں کو انذار، اب ان کا مسئلہ ہی نہیں رہا۔ اس کے بجاے انھوں نے اپنے لیے جو کام منتخب کیے ہیں، وہ سرتاسر یہی ہیں کہ اپنے نظریاتی مخالفین کے خلاف سادہ لوح لوگوں کو مشتعل کیا جائے، ان کی تکفیر کے فتوے صادر کیے جائیں اور انھیں واجب القتل ٹھیرایا جائے۔

اس سارے رویے میں دین کی اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس دنیا میں کسی شخص یا گروہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قانونی اعتبار سے مسلمان ہے یا غیر مسلم، لیکن جہاں تک حقیقی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایمان کا تعلق ہے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ دلوں میں جھانکنے کی نہ ہم صلاحیت رکھتے اور نہ ہمیں اس کی سعی کرنی چاہیے۔ علما اگر کسی شخص یا گروہ کے نظریات کو غلط سمجھتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ نظریات کی غلطی کو علمی سطح پر واضح کریں اور دردمندانہ تذکیر و نصیحت سے اسے صحیح راستے پر لانے کی کوشش کریں۔ یہی ان کی اصل ذمہ داری ہے۔

اہل دعوت کا مسئلہ

ہمارے اہل دعوت کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ دین کو اس کی کامل صورت میں پیش کرنے سے گریزاں ہیں۔ اس کے برعکس، وہ اجزاے دین کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ عامۃ الناس کسی ایک جز کو مکمل دین تصور کرنے لگتے ہیں۔ ان کے طرز عمل کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دعوت، جہاد یا کسی دوسرے جز دین کو مخصوص زاویۂ نظر کے تناظر میں مرکز و محور بنایا جاتا ہے اور پھر فکر و عمل اور دعوت و تربیت کی تمام سرگرمیاں اس سے وابستہ کر دی جاتی ہیں۔ علم و تحقیق کا کام اسی خاص جز کی تفصیل جاننے کے لیے کیا جاتا ہے، تصانیف اسی کی وضاحت کے لیے تالیف ہوتی ہیں، رسائل اسی کے ابلاغ کے لیے جاری ہوتے ہیں، درس گاہیں اسی کی تعلیم کے لیے قائم کی جاتی ہیں، جماعتیں اور تحریکیں اسی کے بارے میں راے عامہ ہموار کرنے کے لیے منظّم ہوتی ہیں، غرض یہ کہ دعوت کے تمام مظاہر اسی جز کی تفصیل کر رہے ہوتے ہیں۔ دین کے باقی اجزا کو اول تو بیان ہی نہیں کیا جاتا اور اگر کبھی ضرورت پیش آ جائے تو اس خاص جز کے لوازم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

دعوت، دین کا ایک جز ہے، مگر بعض اہل علم نے اسے اس طریقے سے پیش کیا ہے کہ یہ جز دین کے پورے وجود پر حاوی محسوس ہوتا ہے۔ ہر خاص و عام کو کار دعوت کا مکلّف قرار دیا جاتا ہے، مگر ہر شخص، ظاہر ہے کہ اس کی صلاحیت اور استطاعت نہیں رکھتا کہ قرآن، سنت، حدیث اور فقہ کے علوم پر دسترس حاصل کر سکے اور انھیں تدریس، تقریر یا تحریر کے پیرائے میں لوگوں کے مختلف طبقات تک پہنچا سکے۔ چنانچہ دین کے مشمولات میں سے چند نکات پر دعوت دین کا عنوان قائم کر کے انھیں ہر کس و ناکس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت حال کی سب سے نمایاں مثال تبلیغی جماعت کا کام ہے۔ ان کی دعوت چھ نکات پر مبنی ہے۔ ان میں سے 'تصحیح کلمہ' سے مراد الفاظ کو صحت کے ساتھ

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

زبان سے ادا کرنا ہے؛ 'تصحیح نماز' سے مراد کلمات نماز کو یاد کرنا ہے؛ 'تصحیح علم و ذکر' سے مراد فضائل کا مذاکرہ اور کلمات ذکر یاد کرنا ہے؛ 'تصحیح نیت' سے مراد چھ نکاتی پروگرام کی تبلیغ کے لیے نیت کرنا ہے؛ 'اکرام مسلم' سے مراد مسلمانوں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنا ہے اور 'تفریغ وقت' سے مراد متعین دنوں کے لیے چھ نکات کی دعوت لے کر لوگوں کے پاس جانا ہے۔ یہ اجزا اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں، مگر انھیں اس طرح پیش کرنا کہ یہ دین کی کلی دعوت قرار پائیں، دین کے لیے فائدے کے بجائے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

بعض علما جہاد کو دین کے اصل پیغام کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ دین کے اس جز کو وہ اس طریقے سے سامنے لاتے ہیں کہ ہر شخص جہاد و قتال ہی کو مکمل دین تصور کرنے لگتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ دین کی بقا اور تبلیغ و اشاعت اسی صورت میں ممکن ہے جب دشمنان اسلام کے خلاف برسر پیکار ہوا جائے۔ اس راہ میں اگر دنیوی منزل نہ بھی حاصل ہو، تب بھی یہ خسارے کا سودا نہیں ہے، کیونکہ اخروی منزل تو بہرحال حاصل ہو کر رہے گی۔ اس تناظر میں عام آدمی کو دین پر عمل کرنے کی بہترین صورت یہی نظر آتی ہے کہ وہ تمام معاملات زندگی کو ترک کر کے میدان جہاد کا رخ کرے اور جام شہادت نوش کر کے جنت میں اپنا مقام محفوظ کر لے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سے بعض اسالیب دین میں اپنی اصل ہی کے لحاظ سے بے بنیاد ہیں، مگر اس سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم صرف اس پہلو کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ دین کو اس کے اجزا کے لحاظ سے پیش کرنا اس کی دعوت کے لیے نہایت ضرر رساں ہے۔ اس طرز عمل سے یہ نتائج لازمی طور پر نکلتے ہیں:

اولاً، دین اپنی کامل صورت میں لوگوں کے سامنے نہیں آتا۔

ثانیاً، مسلم اور غیر مسلم، دونوں طبقات کسی خاص جز ہی کے پہلو سے دین سے متعارف ہوتے ہیں۔

ثالثاً، عام لوگوں کی اکثریت مخصوص اجزاے دین ہی کو دینی اہداف سمجھ کر اختیار کرتی ہے۔

چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ دین کی دعوت پیش کرتے ہوئے دو امور کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ دین کو اپنی کامل صورت میں بحیثیت مجموعی پیش کیا جائے اور دوسرے یہ کہ دین کے ہر جز کو وہی وزن دیا جائے جو خود دین نے اسے دیا ہے۔ زمانی یا مقامی مصلحتوں کا خیال کر کے بعض اجزا کو اس طرح پیش نہ کیا جائے کہ دین کا اپنا قائم کیا ہوا توازن بگڑ جائے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل علم ان امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین کی دعوت پیش کریں۔ وہ لوگوں پر یہ واضح کریں کہ دین کی حقیقت اللہ کی بندگی ہے اور دینی زندگی سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے انفرادی اور اجتماعی وجود میں

فکروعمل کی تمام جہتیں اصلاً بندگی رب کے لیے متعین کرے۔ انھیں بتائیں کہ دین کا مقصود تزکیۂ نفس ہے اور جنت کے انعام کے مستحق وہی لوگ ہیں جو دنیا میں اپنے نفوس کو شیطانی آلایشوں سے پاک رکھنے کے لیے سرگرم عمل رہیں۔ انھیں یہ تعلیم دیں کہ دین محض اذکار اور رسوم کا نام نہیں ہے، بلکہ اس نے شریعت کی صورت میں عبادت، معاشرت، سیاست، معیشت، دعوت، جہاد، حدود وتعزیرات، غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی کے لیے بنیادی اصول وقوانین وضع کیے ہیں۔ ان کی پاس داری ضروری ہے اور ان کا انکار دین کے انکار کے مترادف ہے۔ اسی جامع اسلوب میں دین کی دعوت دین و دانش کا تقاضا ہے۔ اہل علم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دین کو پوری بصیرت کے ساتھ سمجھیں اور اسے مکمل طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآنیات

اشراق

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکھف

(۳)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ

(تم اِن کی پروا نہ کرو، اے پیغمبر)، اور تمھارے پروردگار کی جو کتاب تمھاری طرف وحی کی جا رہی ہے، اُسے لوگوں کو سنا دو۔ خدا کے قوانین کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ تم (اُن سے ہٹ کر کچھ چاہو گے تو) اُس کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پاؤ گے۔[۳۸] تم اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ جمائے رکھو جو اپنے پروردگار کی رضا جوئی میں صبح و شام اُس کو پکارتے ہیں۔ تمھاری آنکھیں دنیوی زندگی کی رونق کی خاطر اُن سے ہٹنے نہ پائیں اور تم اُن (لوگوں کی بات) پر دھیان نہ کرو جن کے دل ہم نے اپنی یاد سے غافل

۳۸؎ یعنی ہدایت و ضلالت کے لیے جو قوانین خدا نے بنا دیے ہیں، لوگ اُنھی کے مطابق ہدایت پائیں گے اور اُنھی کے مطابق گمراہی کے حوالے کیے جائیں گے۔ اُن سے ہٹ کر کوئی شخص کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا اور کسی کو اِس

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ اِنَّآ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا اَحَاطَ بِہِمۡ سُرَادِقُہَا وَاِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ بِئۡسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ

کر دیے ہیں اور جو اپنی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں اور جن کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے[۳۹]۔ اِن سے کہو، تمھارے پروردگار کی طرف سے یہی حق ہے[۴۰]۔ سو جس کا جی چاہے، ایمان لائے اور جس کا جی چاہے، انکار کر دے۔ ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کے سراپردے اُن کو اپنے گھیرے میں لے لیں گے۔ اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو اُن کی فریاد رسی اُس پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو گا۔ وہ چہروں کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی برا پانی ہو گا اور کیا ہی برا ٹھکانا! ۲۷-۲۹

رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے تو یقیناً ہم اُن لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جو اچھے طریقے سے عمل کریں۔ اُن کے لیے ہمیشہ رہنے والے باغ ہوں گے، اِس طرح کہ اُن کے پاؤں تلے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ اُنھیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ وہ

کی تمنا بھی نہیں کرنی چاہیے۔

۳۹؎ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے قریش کے اغنیا اور متکبرین کو متنبہ کیا ہے کہ ہمارے پیغمبر کو تمھاری ناز برداری کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کی متاع عزیز وہی لوگ ہیں اور اُنھی کو ہونا چاہیے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ چنانچہ آپ کو بھی توجہ دلائی ہے کہ داعی حق کا کام یہی ہے کہ وہ خدا کا پیغام بے کم و کاست پہنچا دے اور اِس کے لیے اپنے مخاطبین کی دولت، اقتدار اور معاشرے میں اُن کے اثر و رسوخ کو ہرگز خاطر میں نہ لائے۔

۴۰؎ اِس جملے میں مبتدا محذوف ہے، یعنی 'ھذا ھو الحق'۔

ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ
نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾
وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا
بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا
وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ
مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

سندس اوراستبرق کی سبز پوشاک پہنیں گے، تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے اُس میں بیٹھے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی اچھا ٹھکانا[۴۱]! ۳۰-۳۱

تم اِن کے سامنے ایک مثال بیان کرو[۴۲]۔ دو شخص تھے[۴۳]۔ اُن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ[۴۴] دے رکھے تھے اور اُن کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیے تھے اور اُن کے درمیان کھیتی کے قطعے رکھ دیے تھے۔ دونوں باغ خوب پھل لاتے، اُس میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔ اور اُن کے بیچ بیچ میں ہم نے ایک نہر دوڑا دی تھی۔ اُس کے پھلوں کا موسم ہوا تو اُس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا: میں تم سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور میرا جتھا بھی زبردست ہے[۴۵]۔ وہ (یہ باتیں کرتے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۴۱؎ اوپر دوزخ کے احوال بیان ہوئے ہیں۔ یہ اب جنت کے احوال ہیں۔ قرآن نے یہ سب چیزیں تشبیہ وتمثیل کے طریقے پر اور مخاطبین کے ذوق اور معلومات کی رعایت سے بیان کی ہیں۔ چنانچہ اہل ایمان کے صلے میں اُنھی چیزوں کو نمایاں کیا ہے جنھیں وقت کے امرا و اغنیا اپنا سرمایۂ فخر ومباہات سمجھتے تھے۔

۴۲؎ یعنی قریش کے متمردین کے سامنے تاکہ وہ اِس کے آئینے میں اپنا ظاہر و باطن بھی دیکھ لیں اور اُس کشمکش کا انجام بھی جو اِس وقت برپا ہے۔

۴۳؎ ایک جسے خدا نے دو باغ دیے تھے اور دوسرا اُس کا ساتھی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

۴۴؎ یعنی ایک نہیں، بلکہ دو۔ یہ تکمیل نعمت کے اظہار کے لیے ہے۔

۴۵؎ یہ فقرہ بتا رہا ہے کہ اُس کے ساتھی نے اُسے نصیحت کی کہ تمھیں خدا نے یہ سب کچھ عطا فرمایا ہے تو اُس کے

هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّاۡ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا

ہوئے) اپنے باغ میں داخل ہوا تو اپنی جان پر آفت ڈھا رہا تھا۔ اُس نے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی برباد ہو جائے گا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی۔ تاہم میں اگر اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی گیا تو جہاں لوٹ کر جاؤں گا، اِس سے بہتر جگہ ہی پاؤں گا۔ ۳۲-۳۶

اُس کے ساتھی نے اُس سے گفتگو کرتے ہوئے جواب دیا: کیا اُس ہستی کا انکار کر رہے ہو جس نے تمھیں مٹی سے بنایا، پھر پانی کی ایک بوند سے، پھر تم کو ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا۔[۴۶] (تم جو چاہے کرو)، لیکن (میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ) میرا رب وہی اللہ ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیراتا۔[۴۷] تم جب اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ جو اللہ نے چاہا،[۴۸] اللہ کے

شکر گزار بندے بنو، ورنہ اندیشہ ہے کہ اُس کے قہر و غضب کا نشانہ بن جاؤ گے۔ لیکن اُس نے جواب میں بحث شروع کر دی کہ میرے مقابلے میں ذرا اپنا حال دیکھو۔ تمھارے پاس کچھ بھی نہیں اور اِس کے باوجود مجھے ڈرا رہے ہو۔ یہ جو کچھ مجھے میسر ہے، یہ خود اِس بات کی شہادت ہے کہ میرا طرز عمل تم سے زیادہ صحیح ہے۔

۴۶؎ یہ انکار آخرت پر اُس کے ساتھی، بندۂ مومن کا معارضہ ہے۔ وہ خدا کی سچی معرفت اور اُس پر سچے ایمان سے بہرہ یاب تھا۔ چنانچہ اُس نے توجہ دلائی کہ جس خدا کی قدرت کے یہ مظاہر دیکھتے ہو، اُس کے بارے میں کس طرح خیال کرتے ہو کہ مرنے کے بعد وہ تمھیں اٹھا نہ سکے گا؟ اِس کے معنی تو یہ ہیں کہ تم درحقیقت خدا ہی کا انکار کر رہے ہو۔

۴۷؎ استاذ امام لکھتے ہیں:

''یہ بندۂ مومن نے اپنا عقیدہ بیان کیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایمان کے لیے صرف خدا کو مان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَّ وَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰی رَبِّیۡۤ اَنۡ یُّؤۡتِیَنِ خَیۡرًا مِّنۡ جَنَّتِکَ وَ یُرۡسِلَ عَلَیۡہَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِیۡدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوۡ یُصۡبِحَ مَآؤُہَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ لَہٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾
وَ اُحِیۡطَ بِثَمَرِہٖ فَاَصۡبَحَ یُقَلِّبُ کَفَّیۡہِ عَلٰی مَاۤ اَنۡفَقَ فِیۡہَا وَ ہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا وَ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُشۡرِکۡ بِرَبِّیۡۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَ لَمۡ تَکُنۡ لَّہٗ فِئَۃٌ یَّنۡصُرُوۡنَہٗ

بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں ہے۔ اگر تم مجھ کو دیکھتے ہو کہ میں مال و اولاد میں تم سے کم ہوں[۴۹] تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تمھارے باغ سے بہتر باغ عطا فرمائے اور تمھارے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی گردش بھیج دے کہ وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا اُس کا پانی زمین میں اتر جائے، پھر تم اُس کو کسی طرح پا نہ سکو۔ ۳۷-۴۱

(چنانچہ یہی ہوا) اور اُس کا سارا پھل (عذاب کے) پھیر میں آ گیا۔ سو جو کچھ اُس نے باغ پر خرچ کیا تھا، وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا۔ اُس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہہ رہا تھا: اے کاش، میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا[۵۰]۔ اُس کے پاس کوئی جتھا نہ تھا جو خدا کے مقابلے میں

لینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ خدا ہی کو اپنا رب، پروردگار اور آقا و مالک بھی مانے۔ اگر کوئی شخص اللہ کا اقرار کرتا ہے، لیکن رب دوسروں کو بھی مانتا ہے تو وہ مشرک ہے۔ اور یہ شرک بھی کفر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مال و جاہ پر مغرور ہے، اُس کو اپنی قابلیت کا ثمرہ و نتیجہ اور اپنے استحقاق ذاتی کا کرشمہ خیال کرتا ہے اور یہ خنّاس اُس کے دماغ میں سمایا ہوا ہے کہ اُس کو اُس سے کوئی چھین نہیں سکتا تو یہ بھی شرک ہے، اِس لیے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو خدا کی خدائی میں ساجھی سمجھتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/۵۸۶)

۴۸؎ یعنی جو کچھ ہے، سب اللہ کی عنایت ہے اور اُس کی مشیت سے ملا ہے۔

۴۹؎ اصل الفاظ ہیں: 'اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡکَ مَالًا وَّ وَلَدًا'۔ اِن میں 'اَنَا' عربیت کے اسلوب پر دو مفعولوں کے درمیان ایک فاصل کے طور پر آ گیا ہے۔ اِس کی مثالیں کلام عرب میں بھی موجود ہیں اور ہماری اپنی زبان میں بھی۔

۵۰؎ یعنی اُس وقت ہوش آیا، جب ہر چیز غارت ہو گئی۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...تباہ شدہ باغ ایک میت کی طرح سامنے تھا اور وہ اُس کی لاش پر کھڑا اپنے دونوں ہاتھ مل رہا تھا کہ اُس سے

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَمَا کَانَ مُنۡتَصِرًا ﴿۴۳﴾ ہُنَالِکَ الۡوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الۡحَقِّ ہُوَ خَیۡرٌ ثَوَابًا
وَّ خَیۡرٌ عُقۡبًا ﴿۴۴﴾

وَاضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ
الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ ہَشِیۡمًا تَذۡرُوۡہُ الرِّیٰحُ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ﴿۴۵﴾
اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَالۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّکَ ثَوَابًا

اُس کی مدد کرتا[۵۱] اور نہ وہ خود (اُس کا) بدلہ لے سکتا تھا۔ اِس وقت[۵۲] سارا اختیار صرف خداے برحق کا ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اُسی کا اجر بہتر ہے اور جس انجام تک وہ پہنچائے، وہی سب سے اچھا انجام ہے۔۴۲-۴۴

(یہ جس پر ریجھے ہوئے ہیں)، اِنھیں اُس دنیوی زندگی کی مثال سناؤ۔ یہ ایسی ہے جیسے پانی ہو جسے ہم نے آسمان سے (بارش برسا کر) اتارا، پھر اُس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوئیں، پھر چورا ہو کر رہ گئیں جسے ہوائیں اڑاتی پھری ہیں۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے[۵۳]۔ یہ مال و اولاد[۵۴] اِسی دنیوی زندگی کی رونق ہیں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) تمھارے پروردگار کے ہاں اجر کے لحاظ سے بہتر وہ اعمال

کچھ یافت ہونی تو الگ رہی، جو کچھ اُس کے رکھ رکھاؤ پر خرچ کیا، وہ بھی برباد ہوا۔ اُس وقت اُسے اپنے ناصح کی بات یاد آئی اور نہایت حسرت کے ساتھ بولا کہ کاش، میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بناتا۔'' (تدبرقرآن ۴/۵۸۸)

اِس آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ اے کاش، میں اپنی دولت و ثروت، جمعیت و عصبیت اور خدم و حشم کو معبود بنا کر اُن کی پرستش نہ کرتا، بلکہ اِن سب چیزوں کو اپنے پروردگار کی عنایت سمجھتا اور اُس کا شکر گزار ہوتا۔

۵۱؎ یہ اُس جتھے کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر پیچھے 'اَعَزُّ نَفَرًا' کے الفاظ میں ہوا ہے۔

۵۲؎ یعنی اِس وقت جب عذاب کی گھڑی آ گئی ہے۔

۵۳؎ چنانچہ ایک دن اُس کا حکم ہو گا اور یہ دنیا کی بہار بھی اِسی طرح خزاں رسیدہ ہو کر رہ جائے گی۔ تم اِسے لازوال سمجھ کر اِس کے دیوانے ہو رہے ہو، دراں حالیکہ اِس کی کوئی چیز بھی باقی رہنے والی نہیں ہے۔

۵۴؎ قبائلی زندگی میں مال کے ساتھ اولاد کی اہمیت بھی غیر معمولی تھی۔ پیچھے جس جتھے کا ذکر ہوا ہے، وہ اصلاً

وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ
مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ
مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا
كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

ہیں جو اچھے اور باقی رہنے والے ہیں اور اِس لحاظ سے بھی کہ اُن سے امیدیں وابستہ کی جائیں۔ اُس دن کا خیال کرو، جب ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ بالکل عریاں ہو گئی ہے اور ہم اِن کو لا جمع کریں گے، پھر اِن میں سے کسی کو چھوڑیں گے نہیں۔ سب صفیں باندھے ہوئے تیرے پروردگار کے حضور پیش کر دیے جائیں گے — تم ہمارے پاس آ گئے نا، جس طرح ہم نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ بلکہ تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم تمھارے لیے کوئی وعدے کا وقت مقرر ہی نہیں کریں گے۔ اُس وقت اعمال کا دفتر سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر تم مجرموں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اُس میں (لکھا) ہے، وہ اُس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسا دفتر ہے کہ نہ کوئی چھوٹی بات اِس نے لکھنے سے چھوڑی ہے نہ بڑی۔ اُنھوں نے جو کچھ (دنیا میں) کیا تھا، سب اپنے سامنے حاضر پایا اور تیرا پروردگار (اُس دن) کسی پر کوئی ظلم نہ کرے گا۔ ۴۵-۴۹

اولاد ہی سے بنتا تھا اور لوگ اِسی بنا پر کثرت اولاد کی تمنا کرتے تھے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

معارف نبوی

جاوید احمد غامدی

تحقیق و تخریج: محمد حسن الیاس

دوزخ کے اعمال

(۳)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— ۱ ——

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ،[۱] أَنَّهُ قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى[۲] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ، ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَا لِحَيَاتِهِ[۳] فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ"، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، فَقَالَ: "إِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا، وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا، وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ"، قَالُوْا: لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "لِكُفْرِهِنَّ"، قِيْلَ: أَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ، قَالَ: "وَيَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلٰى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهُ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ

مِنكَ خَيرًا قَطُّ“.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی۔ اُس موقع پر صحابہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ پھر آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔ اُس وقت تک سورج بھی صاف ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، اِنھیں کسی کی موت وحیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا، لہٰذا اگر کبھی ایسا دیکھو تو اپنے رب کو یاد کیا کرو۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ، نماز کے دوران میں ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی اِس جگہ پر کھڑے کھڑے شاید کوئی چیز لینا چاہی تھی، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ رک گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے جنت دیکھی تو اُس میں سے میووں کا ایک گچھا لینا چاہا۔ اگر میں اُس کو لے لیتا تو جب تک دنیا باقی ہے، تم اُس میں سے کھاتے رہتے[1]۔ پھر میں نے دوزخ[2] دیکھی تو اُس میں ایک ایسا منظر دکھائی دیا کہ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اُس میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔ لوگوں نے پوچھا: وہ کیوں، یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اِس لیے کہ ناشکری کرتی رہتی ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: کیا اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور کسی کا احسان نہیں مانتیں۔ تم نے کسی عورت کے ساتھ زندگی بھر احسان کیا ہو، پھر تم سے کوئی ایسی بات ہو جائے جو اُسے ناگوار ہو تو فوراً کہے گی: میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی[3]۔

۱۔ یعنی جس طرح اجناس کے چند دانوں سے ہزاروں دانے پیدا ہو جاتے ہیں، اُسی طرح جنت کا یہ میوہ بھی بڑھتا رہتا، یہاں تک کہ دنیا کا آخری دن آ جاتا اور اُس وقت بھی لوگ اُس کو کھا رہے ہوتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات کھانے پینے کی چیزوں سے متعلق روایتوں میں بیان ہوئے ہیں، اُن کو بھی اِسی طریقے پر سمجھنا چاہیے۔

۲۔ اِس سے دوزخ کی وہ تمثیل مراد ہے جو اُس وقت آپ کو دکھائی گئی۔ انبیا کے صحائف سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس طرح کے مشاہدات لوگوں کی تنبیہ کے لیے اُن کو بالعموم کرائے جاتے تھے۔ چنانچہ بہت سی چیزیں جو مستقبل میں

واقع ہونے والی ہوں، وہ انبیا علیہم السلام کو بیداری میں بھی اُسی طرح ممثل کر کے دکھادی جاتی ہیں، جس طرح ہم بعض اوقات اُن کو خواب میں دیکھتے ہیں۔

۳۔ اِس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سب عورتیں ایسی ہوتی ہیں یا کسی مرد میں یہ برائی نہیں ہوتی۔ اِس طرح کی تنبیہ کے موقع پر جو کچھ کہا جاتا ہے، عام مشاہدے کی رعایت سے کہا جاتا اور اُس کے لیے اسلوب بھی بالعموم یہی اختیار کیا جاتا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن موطا امام مالک، رقم ۴۴۱ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت اِن کتابوں میں نقل ہوئی ہے: مسند احمد، رقم ۲۷۱۱، ۳۳۴۷۔ صحیح بخاری، رقم ۲۸۔ صحیح مسلم، رقم ۱۵۱۸۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۴۸۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۲۹۲۸۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۶۲۹ ۱۳۔

۲۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر رسول اللہ نے جو نماز ادا کی، اُس کی تفصیل متعدد روایتوں میں مذکور ہے۔ اِسے کسوف اور خسوف کی نماز کہا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: مسند احمد، رقم ۲۷۱۱۔

۳۔ صحیح بخاری، رقم ۹۹۰ میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے ابراہیم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ ابراہیم کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ نے اُس موقع پر بھی یہی بات ارشاد فرمائی جو اوپر روایت میں نقل ہوئی ہے۔

—— ۲ ——

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ،[1] قَالَ: شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْعِيْدِ، فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ، ثُمَّ قَامَ مُتَوَكِّئًا عَلٰى بِلَالٍ فَأَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ[2] وَحَثَّ عَلٰى طَاعَتِهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ، ثُمَّ مَضٰى حَتّٰى أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ فَقَالَ: ”تَصَدَّقْنَ فَإِنَّ أَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ“، فَقَامَتِ امْرَأَةٌ مِنْ سِطَةِ النِّسَاءِ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ، فَقَالَتْ: لِمَ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟، قَالَ: "لِأَنَّكُنَّ تُكثِرنَ الشَّكَاةَ وَتَكفُرنَ العَشِيرَ"[3] قَالَ: فَجَعَلنَ يَتَصَدَّقنَ مِن حُلِيِّهِنَّ، يُلقِينَ فِي ثَوبِ بِلَالٍ مِن أَقرِطَتِهِنَّ وَخَوَاتِمِهِنَّ.[4]

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عید کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں حاضر ہوا تو آپ نے نماز اذان اور اقامت کے بغیر اور خطبے سے پہلے پڑھائی[1]۔ اُس کے بعد آپ بلال کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کے لیے کہا، اُس کی اطاعت کی ترغیب دی اور اُنھیں وعظ و نصیحت کی اور یاددہانی کرائی۔ پھر آگے بڑھے اور خواتین کے پاس آئے، اُن کو بھی اِسی طرح وعظ و تذکیر کی اور فرمایا: تم لوگ صدقہ کیا کرو، اِس لیے کہ جو لوگ دوزخ کا ایندھن بنیں گے، اُن میں زیادہ تعداد تمھاری ہوگی[2]۔ آپ کی یہ بات سن کر عورتوں کے درمیان سے ایک عورت اٹھی جس کے گال سرخی مائل سیاہ تھے۔ اُس نے عرض کیا: وہ کیوں، یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اِس لیے کہ تم لوگ شکایت بہت کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ جابر کہتے ہیں کہ یہ سن کر عورتیں اپنے زیورات صدقہ کرنے لگیں، وہ اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں اتار اتار کر اُس کپڑے میں ڈال رہی تھیں جو بلال رضی اللہ عنہ نے اِسی مقصد سے بچھا رکھا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے معاملے میں یہی سنت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمائی ہے۔ مسلمان اِس وقت بھی پورے عالم میں اِسی کے مطابق یہ نمازیں ادا کر رہے ہیں۔

۲۔ یہ آپ نے اُسی مشاہدے کے حوالے سے فرمایا ہے جس کا ذکر اوپر کی روایت میں ہو چکا ہے۔ صدقے کی یہ اہمیت کہ وہ جہنم سے چھڑانے کا باعث ہوگا، بعض روایتوں میں اِس طرح کے کسی پس منظر کے بغیر بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'تَصَدَّقُوا، فَإِنَّ الصَّدَقَةَ فِكَاكُكُم مِنَ النَّارِ' ''صدقہ کرو، یہ جہنم سے تمھیں چھڑانے کا باعث ہوگا''۔ ملاحظہ ہو: المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۸۲۷۵۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۱۴۷۳ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن

سے یہ روایت درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

مسند احمد، رقم ۱۴۱۳۱۔ سنن دارمی، رقم ۱۵۷۶۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۵۶۹۲، ۸۹۱۳۔ السنن الصغریٰ، نسائی رقم ۱۵۶۳۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۲۰۰۶۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم ۱۳۸۲۔ مسند ابی نعیم، رقم ۱۸۰۲۔ السنن الصغریٰ، بیہقی، رقم ۳۳۹۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۵۷۱۹، ۵۷۴۰۔

۲۔ مسند احمد، رقم ۱۴۱۳۱ میں اِس جگہ 'وَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰی عَلَيْهِ' کا اضافہ بھی منقول ہے، یعنی اللہ کی حمد و ثنا فرمائی۔

۳۔ سنن دارمی، رقم ۱۵۷۶ میں اِس جگہ 'لِأَنَّكُنَّ تُفْشِيْنَ الشَّكَاةَ وَاللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، یعنی اِس لیے کہ تم شکایتیں پھیلاتی اور لعنتیں بہت کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔

۴۔ السنن الصغریٰ، رقم ۱۵۶۳ میں اِس جگہ: 'فَجَعَلْنَ يَنْزِعْنَ قَلَائِدَهُنَّ' کا اضافہ ہے، یعنی اپنے ہار اتارنے لگیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ،[۱] قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَضْحٰى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلّٰى، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، تَصَدَّقْنَ[۲] فَإِنِّيْ أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ"، [فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ][۳]: وَبِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ"،[۴] قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ"؟[۵] قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ: "فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ"؟ قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ: "فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا".

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ یا

عیدالفطر کے دن جاے نماز کی طرف جانے کے لیے نکلے تو آپ کا گزر عورتوں کے پاس سے ہوا۔ آپ نے فرمایا: بیبیو، صدقہ کیا کرو، اِس لیے کہ میں نے دوزخ میں تم کو زیادہ دیکھا ہے۔ اُن میں سے ایک عورت نے، جو دانش مند معلوم ہوتی تھی، پوچھا: ایسا کیوں ہو گا، یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: تم لوگ بہت زیادہ لعنتیں کرتی ہو[۱] اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو[۲]۔ میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ اُس پر دینی اور عقلی، دونوں طرح کے معاملات کی ذمہ داری کم ڈالی گئی ہو[۳] اور وہ اچھے بھلے ہوشیار اور دانا مرد کو بے عقل بنا کر رکھ دے[۴]۔ عورتوں نے کہا: ہمارے اوپر دینی اور عقلی معاملات میں کیا کمی کی گئی ہے، یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: کیا تم پر گواہی کی ذمہ داری مردوں سے آدھی نہیں ہے[۵]؟ اُنھوں نے کہا: یقیناً۔ آپ نے فرمایا: یہی عقلی معاملات میں ذمہ داری کی کمی ہے۔ فرمایا: پھر کیا ایسا نہیں ہے کہ عورتیں ایام سے ہوتی ہیں تو نہ نماز پڑھتی ہیں اور نہ روزہ رکھتی ہیں؟ اُنھوں نے کہا: ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ دینی معاملات میں ذمہ داری کی کمی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۔ یعنی دوسروں کے لیے بددعائیں کرتی رہتی ہو کہ اللہ اُن کو اپنی رحمت سے دور کر دے۔ 'لعنت' کا لفظ عربی زبان میں اِسی مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو دیہات میں رہنے کا موقع ملا ہے، وہ جانتے ہیں کہ پچھلے زمانے کی عورتوں میں یہ چیز کس قدر زیادہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر جو وعید سنائی ہے، اُس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زبان کے گناہ بھی آدمی کو کس انجام تک پہنچا سکتے ہیں۔

۲۔ اِس کی وضاحت پیچھے ایک روایت میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے۔

۳۔ یعنی اُس کی خلقی کمزوری کے باعث کم ڈالی گئی ہو۔ عقلی معاملات سے مراد دنیوی معاملات ہیں اور روایت میں 'ناقصات' کا لفظ بالکل اُسی طرح آیا ہے، جس طرح یہ سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۴ کے الفاظ 'ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡئًا' میں استعمال ہوا ہے۔ یہ یہاں اُس مفہوم میں نہیں ہے جس کے لیے اردو زبان میں ہم 'ناقص العقل' کی تعبیر اختیار کرتے ہیں۔

۴۔ عورتوں کے بارے میں یہ عام مشاہدے کا بیان ہے، اِسے کسی پیغمبرانہ تبصرے پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔

۵۔ یہ لین دین کے معاملات میں گواہی کا حوالہ ہے جس کا حکم سورۂ بقرہ (۲) کی آیات ۲۸۲-۲۸۳ میں بیان ہوا

ہے۔ اِس میں گواہ کا انتخاب چونکہ دستاویز لکھوانے والے کرتے ہیں، اِس لیے ہدایت کی گئی ہے کہ یہ بھاری ذمہ داری اُسی پر ڈالی جائے جو اِس کا تحمل کر سکتا ہو۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس میں دو فریقوں میں سے ایک فریق کی ناراضی، بلکہ بعض اوقات دشمنی کا خطرہ مول لے کر وہ بات کہنی پڑتی ہے جو فی الواقع طے ہوئی تھی۔ یہ اِس زمانے میں بھی اتنا آسان نہیں ہے، کجا یہ کہ قبائلی اور جاگیردارانہ سماج میں کوئی شخص اِس کی ہمت کرے۔ قرآن نے اِسی بنا پر فرمایا ہے کہ عورتوں کو گواہ بنانا پڑے تو ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ بنا لیا جائے تاکہ عورت اگر اُس دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے جو اِس طرح کے موقعوں پر لازماً پڑتا ہے اور گواہی دیتے وقت گھبرا جائے تو دوسری عورت اُس کا سہارا بن سکے۔ یہ سد ذریعہ کا حکم ہے۔ چنانچہ معاشرے کے حالات میں تبدیلی کے باعث اِس کی ضرورت باقی نہ رہے تو اِس پر عمل کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اِسی کو آدھی ذمہ داری سے تعبیر فرمایا ہے۔

متن کے حواشی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح بخاری، رقم ۲۹۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت اِن کتابوں میں نقل ہوئی ہے: الاموال، ابو قاسم بن سلام، رقم ۱۲۳۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۹۵۹۳۔ صحیح بخاری، رقم ۱۳۷۵، ۱۸۲۴۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۶۲۔

ابو سعید خدری کے علاوہ یہی مضمون عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اُن سے اِس کے مصادر یہ ہیں: حدیث اسماعیل بن جعفر، رقم ۳۵۰۔ الاموال، ابو قاسم بن سلام، رقم ۱۲۳۵۔ مسند احمد، رقم ۵۱۹۲، ۸۶۶۳۔ سنن ترمذی، رقم ۲۵۵۵۔ سنن ابوداؤد، رقم ۴۰۶۱۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۰۱۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۸۹۲۸۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۵۴۸، ۶۵۵۰۔

۲۔ صحیح مسلم، رقم ۱۱۷ میں اِس جگہ 'وَأَكْثِرْنَ الْإِسْتِغْفَارَ' کا اضافہ نقل ہوا ہے، یعنی زیادہ استغفار کرو۔ اِس کے راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

۳۔ یہ اضافہ صحیح مسلم، رقم ۱۱۷ سے لیا گیا ہے۔ یہ خاتون کون تھیں؟ ابو قاسم بن سلام کی الاموال، رقم ۱۲۳۵ میں مذکور ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ زینب تھیں۔ بعض روایات میں یہ بات بھی نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس موقع پر شوہروں اور بچوں کو صدقہ دینے کے بارے میں بھی پوچھا گیا تو آپ نے

اِس کی اجازت دی۔ ملاحظہ ہو: مسند احمد، رقم ۸۶۶۳۔

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۸۱۹ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اِس جگہ یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں: 'مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصِ الدِّيْنِ وَالرَّأْيِ أَغْلَبَ لِلرِّجَالِ ذَوِي الْأَمْرِ عَلى أَمْرِهِمْ مِنَ النِّسَاءِ'' 'میں نے عورتوں سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ اُس پر عقلی اور دینی، دونوں طرح کے معاملات کی ذمہ داری اُس کی کمزوری کے باعث کم ڈالی گئی ہو اور اِس کے باوجود وہ اپنے معاملات پر دسترس رکھنے والے مردوں پر غالب آجائے۔ ابوقاسم بن سلام کی الاموال، رقم ۱۲۳۵ میں اِس جگہ 'مَا رَأَيْتُ مِنْ نَوَاقِصِ عُقُوْلٍ قَطُّ، وَلَا دِيْنٍ أَذْهَبَ لِقُلُوْبِ ذَوِي الْأَلْبَابِ مِنْكُنَّ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ صحیح مسلم، رقم ۱۱۷ میں یہاں 'أَغْلَبَ لِذِي لُبٍّ مِنْكُنَّ' کے الفاظ ہیں۔ اِس کے راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ دونوں کے مدعا میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ مسند احمد، رقم ۸۶۶۳ میں اِس جگہ جملوں کی ترتیب یوں ہے: 'مَا رَأَيْتُ مِنْ نَوَاقِصِ عُقُوْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِقُلُوْبِ ذَوِي الْأَلْبَابِ مِنْكُنَّ، فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَتَقَرَّبْنَ إِلَى اللّٰهِ مَا اسْتَطَعْتُنَّ'' 'میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ اُس پر عقلی اور دینی، دونوں طرح کے معاملات کی ذمہ داری کم ڈالی گئی ہو اور وہ اچھے بھلے دانا مردوں کے دل اچک لے جائے۔ سو متنبہ رہو، قیامت کے دن میں نے دوزخ کے لوگوں میں تمھیں زیادہ دیکھا ہے۔ تم کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو'۔

۵۔ صحیح مسلم، رقم ۱۱۷ میں یہ بات اِن الفاظ میں بیان ہوئی ہے: 'أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ، فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ، فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ'' 'رہا عقلی معاملات میں کمی کا معاملہ تو دو عورتوں پر گواہی کی ذمہ داری ایک مرد کے برابر ہے۔ سو یہی عقلی معاملات میں ذمہ داری کی کمی ہے۔ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

—— ۴ ——

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ،[۱] أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ فِي خُطْبَتِهِ: ''وَأَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ: الضَّعِيْفُ الَّذِيْ لَا زَبْرَ لَهُ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْكُمْ تَبَعًا، لَا يَبْتَغُوْنَ أَهْلًا وَلَا مَالًا وَالْخَائِنُ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى لَهُ طَمَعٌ، وَإِنْ دَقَّ إِلَّا خَانَهُ، وَرَجُلٌ لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِيْ إِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ

عَنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ"، وَذَكَرَ الْبُخْلَ أَوِ الْكَذِبَ وَالشِّنْظِيرُ الْفَحَّاشُ.

عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبے میں فرمایا: دوزخ میں پانچ طرح کے لوگ ہوں گے: وہ کمزور آدمی جس کے ہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی،[1] یہ جو تم میں زیردست ہوتے ہیں، نہ گھر بناتے ہیں اور نہ مال ومنال کے لیے کوئی جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ خیانت کرنے والا آدمی کہ جس کی حرص چھپی نہیں رہ سکتی اور معمولی چیز میں بھی خیانت کر گزرتا ہے۔ وہ آدمی جو صبح وشام تمھیں تمھارے گھر والوں اور تمھارے مال کے بارے میں دھوکا دیتا رہتا ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل یا جھوٹ کا ذکر کیا[2] اور آخر میں فرمایا کہ اور حد سے گزر جانے والا بد خلق۔

۱۔ یعنی گناہ کے ارتکاب میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، علم وعقل اور اخلاقی تربیت سے محرومی کے باعث جو جی میں آئے کر گزرتے ہیں۔ اِس طرح کے لوگ زیادہ تر غلاموں اور نوکروں چاکروں میں ہوتے تھے۔ چنانچہ آگے کی صفات سے اُنھی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ روایت میں جس انجام کا ذکر ہے، وہ ظاہر ہے کہ اُسی صورت میں ہوگا، جب وہ تنبیہ اور تنبہ کے باوجود اپنے گناہوں پر اصرار کرتے رہیں گے۔

۲۔ یہ جملہ جس مقام پر آیا ہے، اُس سے واضح ہے کہ اِس سے بخل یا جھوٹ کے مرتکبین کا ذکر مراد ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۵۱۱۳ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے اِس روایت کو اِن کتابوں میں نقل کیا گیا ہے: جامع معمر بن راشد، رقم ۶۹۳۔ مسند طیالسی، رقم ۱۱۶۳۔ مسند احمد، رقم ۱۷۱۴۹، ۱۷۶۹۶۔ مسند بزار، رقم ۲۹۷۴۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۷۷۵۶، ۷۷۵۷۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۵۹، ۶۶۰۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۳۰۱۹، ۳۰۲۱۔ السنن الصغریٰ، بیہقی، رقم ۱۵۸۱۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۶۳۵۳۔

المصادر والمراجع

ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان.** ط٢ . تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، على بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع. (١٤٨١هـ /١٩٩٨م). **المعجم الصحابة** .ط١ . تحقيق:حمدي محمد. مكة مكرمة: نزار مصطفٰى الباز.

ابن ماجة، ابن ماجة القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجة.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار الفكر.

ابن منظور، محمد بن مكرم بن الأفريقي. (د.ت). **لسان العرب.** ط١. بيروت: دار صادر.

أبو نعيم ، (د.ت). **معرفة الصحابه**.ط١ . تحقيق: مسعد السعدني. بيروت: دارالكتاب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل.** ط١ . بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسماعيل. (١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧م). **الجامع الصحيح.** ط٣ . تحقيق: مصطفٰى ديب البغا. بيروت: دار ابن كثير.

بدر الدين العيني. **عمدة القاري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البيهقي، أحمد بن الحسين البيهقي . (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). **السنن الكبرٰى**.ط١ . تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. مكة المكرمة: مكتبة دار الباز.

السيوطي، جلال الدين السيوطي. (١٤١٦هـ/ ١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج**.ط ١ . تحقيق: أبو إسحٰق الحويني الأثري. السعودية: دار ابن عفان للنشر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

والتوزيع.

الشاشي، الهيثم بن كليب. (١٤١٠هـ). **مسند الشاشي**. ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين اللّٰه. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

محمد القضاعي الكلبي المزي.(١٤٠٠هـ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت). **صحيح المسلم**. ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرٰى**. ط٢. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **السنن الكبرٰى**. ط١. تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سیر و سوانح

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ

www.javedahmedghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت قدامہ بن مظعون کے دادا کا نام حبیب بن وہب تھا۔ ان کا تعلق قریش سے تھا، تاہم وہ اپنے پانچویں جد جمح بن عمرو کی نسبت سے جمحی کہلاتے ہیں۔ کعب بن لؤی پر حضرت قدامہ کا شجرۂ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے جا ملتا ہے۔ آپ مرہ بن کعب، جب کہ حضرت قدامہ ان کے بھائی ھصیص بن کعب کی اولاد میں سے تھے۔ ھصیص حضرت قدامہ بن مظعون کے ساتویں جد تھے۔ حضرت قدامہ کی والدہ غزیہ بنت حویرث بھی بنو جمح سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن مظعون ان کے سوتیلے بھائی تھے۔ حذافہ بن جمح حضرت قدامہ کے لکڑ دادا (دادا کے دادا) ہونے کے ساتھ ان کے لکڑ نانا (نانا کے دادا) بھی تھے۔ حضرت قدامہ کے چچا معمر بن حبیب زمانۂ جاہلیت میں ہونے والی جنگ فجار کے ایک کمانڈر تھے۔ ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر حضرت قدامہ کی بھانجی تھیں، حضرت قدامہ کی بہن حضرت زینب بنت مظعون سیدہ حفصہ اور حضرت عبداللہ بن عمر کی والدہ تھیں۔ ابوعمرو حضرت قدامہ کی کنیت تھی۔ یہی زیادہ مشہور ہے، تاہم ان کی کنیت ابوعمر بھی بتائی گئی ہے۔

ابن ہشام نے اپنی کتاب ''السیرۃ النبویۃ'' میں ابن اسحاق کے حوالہ سے اوائل بعثت محمدی میں دین اسلام کی طرف لپکنے والے اصحاب رسول کی فہرست دی ہے۔ ان اصحاب کی ترتیب میں جنھیں قرآن مجید نے 'اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* کا نام دیا ہے، حضرت قدامہ بن مظعون کا نمبر چودھواں ہے۔ حضرت قدامہ کے بھائی حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون اور بھتیجے حضرت سائب بن عثمان بھی ان کے ساتھ نعمت اسلام سے سرفراز ہوئے۔

---

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دار ارقم میں داخل نہ ہوئے تھے۔

حضرت قدامہ بن مظعون کو حبشہ و مدینہ، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ رجب ۵ /نبوی (۶۱۵ ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایذا رسانیوں کو دیکھ کر صحابہ کو مشورہ دیا کہ حبشہ (Abyssinia, Ethiopia) کو ہجرت کر جائیں۔ فرمایا: وہاں ایسا بادشاہ (King of Axum) حکمران ہے جس کی سلطنت میں ظلم نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون کی قیادت میں پندرہ اہل ایمان حبشہ روانہ ہوئے، پھر حضرت جعفر بن ابوطالب کی سربراہی میں دو کشتیوں پر سوار سڑسٹھ اہل ایمان کا دوسرا گروپ نکلا۔ حضرت قدامہ بن مظعون اسی گروپ میں شامل تھے۔ یہ پہلی ہجرت حبشہ تھی۔ دونوں گروپوں کے مہاجرین کی مجموعی تعداد تراسی (ابن جوزی: ایک سو نو) تھی۔

شوال ۵ /نبوی میں قریش کے اسلام قبول کرنے کی افواہ حبشہ میں موجود مسلمانوں تک پہنچی تو ان میں سے کچھ کشتی پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ خبر غلط ثابت ہوئی تو ان میں سے چند حبشہ لوٹ گئے، تاہم حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت قدامہ بن مظعون، ان کے دو بھائی حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون اور ان کے بھتیجے حضرت سائب بن عثمان ان تینتیس (یا اڑتیس) اصحاب میں شامل تھے، جنھوں نے دوسری ہجرت حبشہ میں حصہ نہ لیا اور مکہ ہی مقیم ہو گئے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگی کٹھن ہو گئی تو اللہ کے حکم سے آپ نے صحابہ کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دے دیا۔ صحابہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں مکہ سے نکلنے لگے۔ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عمرو بن ام مکتوم مدینہ پہنچے، پھر حضرت عمار بن یاسر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت بلال نے ہجرت کی (بخاری، رقم ۳۹۲۵)۔ ان کے بعد حضرت ابوسلمہ، ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہ، حضرت عامر بن ربیعہ، ان کی اہلیہ حضرت ام عبداللہ، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت ابوحذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جحش نے شہر ہجرت کا رخ کیا۔ حضرت عمر بیس افراد کے قافلہ کے ساتھ مدینہ آئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کی آمد ہوئی۔ حضرت قدامہ بن مظعون، ان کے بھائی حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن مظعون جو مکہ میں اپنے گھر بار خالی کر کے آئے تھے، مدینہ میں حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے مہمان ہوئے۔ حضرت معمر بن حارث نے بھی ان کے ساتھ قیام کیا۔

مدینہ تشریف آوری کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں مواخات قائم فرمائی۔ اہل مواخات میں حضرت قدامہ کا نام مذکور نہیں۔

حضرت قدامہ بن مظعون، ان کے دونوں بھائیوں حضرت عثمان، حضرت عبداللہ اور ان کے بھتیجے حضرت سائب بن عثمان نے جنگ بدر میں حصہ لیا۔

۳ھ: آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کرنے کے اڑھائی سال بعد شعبان کے مہینے میں حضرت حفصہ بنت عمر سے نکاح کیا۔ پھر اسی سال آپ نے انھیں ایک طلاق دی (دوسری روایت: دینے کا ارادہ کیا) تو حضرت عمر نے اپنا سر غبار آلود کر لیا اور کہا: اب اللہ کو عمر اور اس کی بیٹی کی پروا نہ ہو گی۔ حضرت حفصہ نے اپنے بہنوئی حضرت قدامہ بن مظعون اور حضرت عثمان سے شکوہ کیا۔ اگلے ہی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ حفصہ کے پاس آئے اور فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا: اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ حفصہ سے رجوع کر لیں، وہ روزہ دار اور تہجد گزار ہیں اور جنت میں بھی آپ کی اہلیہ رہیں گی (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۰۶، ۳۰۷)۔

حضرت قدامہ جنگ احد، جنگ خندق اور باقی تمام غزوات میں بھی شریک رہے۔

حضرت عثمان بن مظعون کی ایک بیٹی حضرت خولہ بنت حکیم کے بطن سے تھی۔ وفات کے وقت انھوں نے اس کی شادی اور رخصتی کے بارے میں اپنے بھائی حضرت قدامہ کو وصیت کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر دونوں اصحاب کے بھانجے تھے، وہ اپنے ماموں حضرت قدامہ کے پاس آئے اور حضرت عثمان کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ انھوں نے بچی سے پوچھے بغیر اس کی نسبت ان سے طے کر دی۔ اس اثنا میں حضرت مغیرہ بن شعبہ بچی کی ماں سے ملے اور مال کی رغبت دلائی۔ بچی نے ماں کی صلاح کو ترجیح دی اور حضرت عبداللہ بن عمر سے بیاہ کرنے سے انکار کر دیا۔ معاملہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ نے حضرت قدامہ بن مظعون کو طلب فرمایا۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ، یہ میری بھتیجی ہے جس کے بیاہ کی ذمہ داری مجھے وصیت کی گئی تھی۔ میں نے اس کا رشتہ اس کے پھوپھی زاد سے طے کیا ہے۔ اس کی بھلائی کرنے اور اس کا کفو ڈھونڈنے میں میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن یہ اپنی ماں کی خواہش کے پیچھے چل پڑی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ یتیم ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ آپ نے اس کی نسبت حضرت عبداللہ سے توڑ کر حضرت مغیرہ سے اس کا بیاہ کر دیا (ابن ماجہ، رقم ۱۸۷۸۔ مسند احمد، رقم ۶۱۳۶)۔

۲۰ھ: عہد صدیقی میں حضرت علا بن حضرمی بحرین کے عامل تھے۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر نے انھیں ہٹا کر حضرت قدامہ بن مظعون کو گورنر بنایا (بخاری، رقم ۴۰۱۱)۔ ان کی گورنری کے زمانہ میں قبیلۂ عبدالقیس کے سردار حضرت بشر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بن عمرو (یا معلیٰ) جو جارود کے لقب سے مشہور ہیں، بحرین سے آئے، حضرت عمر کو ملے اور کہا: امیر المومنین، قدامہ نے شراب پی رکھی تھی اور نشے میں تھے۔ میں نے اللہ کی ایک حد ٹوٹتے دیکھی ہے، اس لیے آپ تک خبر پہنچانا فرض تھا۔ حضرت عمر نے پوچھا: تمھارے الزام کی گواہی کون دیتا ہے۔ انھوں نے کہا: ابو ہریرہ۔ حضرت عمر نے حضرت ابو ہریرہ کو بلایا اور پوچھا: تم کیا شہادت دیتے ہو؟ انھوں نے کہا: میں نے قدامہ کو شراب نوشی کرتے تو نہیں دیکھا، تاہم وہ نشے میں تھے اور قے کر رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا: تم نے خوب گواہی دی۔ پھر انھوں نے حضرت قدامہ کو خط لکھا کہ بحرین سے آ کر مجھے ملو۔ وہ آئے تو حضرت جارود نے پھر حد قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمر نے کہا: تم فریق ہو یا گواہ ہو؟ حضرت جارود نے کہا: گواہ ہوں۔ حضرت عمر نے کہا: تم نے اپنی گواہی دے دی ہے۔ اگلے روز حضرت جارود نے پھر شرب خمر کی حد نافذ کرنے پر اصرار کیا تو حضرت عمر نے کہا: تم مدعی بن گئے ہو اور تمھارے حق میں ایک شخص کے علاوہ کسی نے گواہی نہیں دی۔ اپنی زبان بند کرو، نہیں تو میں برا پیش آؤں گا۔ حضرت جارود نے جواب دیا: عمر، یہ درست نہیں کہ تمھارے چچازاد نے شراب پی ہے اور تم مجھے برا پیش آنے کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: امیر المومنین، آپ کو ہماری شہادت میں شک ہے تو قدامہ کی بیوی ہند بنت ولید سے پوچھ لیں۔ حضرت عمر نے حضرت ہند سے رابطہ کیا تو انھوں نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابو ہریرہ کے بجائے علقمہ خصی نے حضرت قدامہ کے خلاف شہادت دی۔ دوسری گواہی ملنے کے بعد حضرت عمر نے حد جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا، لیکن حضرت قدامہ نے کہا: آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاَحۡسَنُوۡا. (المائدہ ۵: ۹۳)

''جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کیے، ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی اس باب میں جو وہ کھا پی چکے بشرطیکہ وہ آیندہ حرام چیزوں سے بچیں، ایمان پر ثابت قدم رہیں، نیک اعمال کرتے رہیں، پھر جس جس چیز سے روکا جائے، رکیں، احکام الٰہی کو مانیں، پھر تقویٰ پر قائم رہیں اور ہر حکم پر خوبی سے عمل پیرا ہوں۔''

حضرت عمر نے کہا: تم نے تاویل کرنے میں غلطی کی، جب تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو اس کی طرف سے حرام کی ہوئی محرمات سے بچو گے۔ اب حضرت عمر نے حاضرین سے پوچھا: تم قدامہ کو کوڑے لگانے کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ جواب آیا، قدامہ جب تک بیمار ہیں، انھیں کوڑے نہ مارے جائیں۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نے پھر دریافت کیا تو لوگوں نے کہا: ابھی وہ ضعف محسوس کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: کوڑا لاؤ، یہی بہتر ہے کہ وہ کوڑے کھاتے ہوئے اللہ سے جا ملیں اور میری گردن پر ان کا وبال نہ ہو۔ اس واقعے کے بعد حضرت عمر اور حضرت قدامہ حج پر گئے، لیکن باہم ناراض ہی رہے۔ حج سے واپسی پر حضرت عمر نے سقیا کے مقام پر شب بسر کی۔ نیند سے بیدار ہوئے تو کہا: قدامہ کو بلاؤ، خواب میں آنے والے شخص نے مجھے نصیحت کی کہ قدامہ سے صلح کرو، وہ تمھارا بھائی ہے۔ حضرت عمر نے انھیں منایا اور ان کے لیے استغفار کی (السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۷۵۱۶)۔

ایوب بن ابوتمیمہ سختیانی کا کہنا ہے کہ بدری صحابہ میں سے حضرت قدامہ بن مظعون کے علاوہ کسی پر شرب خمر کی حد جاری نہیں کی گئی۔ ابن اثیر کہتے ہیں: یہ بات درست نہیں، ایک اور بدری صاحب حضرت نعیمان بن عمرو انصاری پر بھی حد لگائی گئی (بخاری، رقم ۶۷۷۵)۔ بخاری کی مذکورہ روایت کے متن 'أن النبي أتي بنعيمان او ابن نعيمان و هو سكران' (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نعیمان یا ان کے بیٹے کو نشہ کی حالت میں لایا گیا) کو دیکھا جائے تو باپ بیٹا، دونوں میں سے کسی ایک کا اس واقعہ سے متعلق ہونا محتمل ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ حضرت نعیمان نہیں، بلکہ ان کا بیٹا شراب کا رسیا تھا اور اس پر چار بار بادہ نوشی کی حد جاری کی گئی۔ ابن حجر کا اصرار ہے کہ شراب نوشی کا واقعہ حضرت نعیمان ہی سے متعلق ہے۔ وہ دلیل میں ابن مندہ کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں حضرت نعیمان کا نام صراحت سے مذکور ہے۔

اس واقعے کے بعد حضرت عمر نے حضرت قدامہ بن مظعون کو معزول کر کے یہ عہدہ دوبارہ حضرت علا بن حضرمی کو سونپ دیا۔ ابن جوزی کی روایت کے مطابق حضرت عمر نے حضرت ابوہریرہ اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکرہ کو یمامہ اور بحرین کا عامل بنایا۔

خلیفۂ سوم حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی خلیفہ بنے تو حضرت قدامہ بن مظعون نے ان کی بیعت نہ کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت صہیب بن سنان، حضرت حسان بن ثابت، حضرت ابوسعید خدری، حضرت زید بن ثابت، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت سلمہ بن سلام، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت مغیرہ بن شعبہ بیعت نہ کرنے والوں میں شامل تھے۔

واقدی کی روایت کے مطابق حضرت قدامہ بن مظعون نے ۳۶ھ میں حضرت علی کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ان کی عمر ۶۸ برس ہوئی۔ ابن حبان ان کا سن وفات ۵۶ھ بتاتے ہیں۔

حضرت قدامہ بن مظعون طویل القامت اور گندم گوں تھے۔ وہ ان معدودے چند صحابہ میں شامل تھے جو بالوں

کو نہیں رنگتے تھے۔ان کی شادی حضرت عمر کی بہن حضرت صفیہ بنت خطاب سے ہوئی جن سے ان کی بیٹی رملہ پیدا ہوئی۔ دوسری زوجہ حضرت ہند بنت ولید سے عمر اور فاطمہ تولد ہوئے۔تیسری اہلیہ حضرت فاطمہ بنت ابوسفیان سے عائشہ نے جنم لیا۔ان کی بیٹی حفصہ کی ولادت ان کی ام ولد کے ہاں ہوئی۔

حضرت قدامہ بن مظعون روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ، میں عطیات کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں (معجم الصحابۃ : ابن قانع)۔متن حدیث میں 'العوائد' کا لفظ ہے جس کا مفرد 'العائدۃ' ہے۔اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: صاحب حیثیت شخص سے ملنے والے عطیات، بار بار عیادت کے لیے آنے والی عورتیں (تہذیب اللغۃ، ازہری)۔ چونکہ یہ روایت ابن قانع بغدادی کے تفردات میں سے ہے اور معنی متعین کرنے کے لیے ہمیں کہیں سے مدد نہیں ملی، اس لیے ہم نے اپنی سوجھ کے مطابق پہلے معنی کو ترجیح دی۔ عائشہ بنت قدامہ نے اپنے والد سے حدیث روایت کی ہے (موطا امام مالک، رقم ۶۸۷)۔عمر بن قدامہ کے پوتے قدامہ بن موسیٰ ثقہ راوی تھے۔امام بخاری اور اکثر محدثین نے ان سے حدیث روایت کی۔

حضرت قدامہ بن مظعون کے ایک آزاد کردہ غلام کی نسل میں جن کا نام ہم بسیار کوشش کے باوجود نہیں جان سکے، عبدالرحمٰن بن سلام اور محمد بن سلام نے تاریخ اسلامی میں مقام حاصل کیا۔عبدالرحمٰن بن سلام کو علم حدیث میں ایک ثقہ راوی سمجھا جاتا ہے، جب کہ محمد بن سلام صاحب اخبار کہلاتے ہیں، عربی ادب کی کتاب ''الاغانی'' میں ان کی روایات کثرت سے موجود ہیں۔انھوں نے شعراے عرب کو دس طبقوں میں تقسیم کیا اور اس موضوع پر عربی کی پہلی تصنیف ''طبقات الشعراء'' تحریر کر کے شہرت پائی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، تاریخ بغداد (خطیب بغدادی)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

ساجد حمید

الحادِ جدید اور ہم

[یہ مضمون ۲۰۱۳ء میں ایک سمپوزیم میں پڑھا گیا تھا۔ دین کے میدانِ تحقیق میں ہمارے عہد کا سب سے اہم مسئلہ الحاد ہے۔ الحاد کو آج ایک علمی درجہ مل چکا ہے، اسے اب تشکیک یا سوفسطائیت کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ الحاد کی اسی سنگینی اور سنجیدگی کو اس مقالے میں مسلمان علما و محققین کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں تا کہ وہ اپنے زورِ تحقیق کو اس میدان میں بھی صرف کریں۔ مصنف]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

الحاد کیا ہے؟

کسی ایک خدا یا سب خداؤں کے انکار کو الحاد کہا جاتا ہے۔

جدید الحاد انگریزی زبان میں الحاد کا مترادف atheism ہے۔ اردو میں اسے دہریت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی خدا کو ماننے کے عقیدے سے انکار کے ہیں۔ یہ انکار سوچا سمجھا بھی ہو سکتا ہے اور بلا سوچے سمجھے قدرتی طور پر بھی۔ لیکن جدید atheism اس انکار خدا سے متعلق نہیں ہے، جو جہالت پر مبنی ہو۔ یعنی مذہبی تعلیمات سے نا آشنائی کی بنا پر پیدا ہونے والا الحاد، اصلاً الحاد نہیں ہے۔ محض خدا کے نہ ہونے کا نظریہ کمزور الحاد ہے۔ آج کا الحاد یہ ہے کہ آدمی یہ مانے کہ نہ خدا ہے اور نہ خدا ہو سکتا ہے۔ کمزور الحاد محض scepticism یا سوفسطائیت (sophist-ism) ہے۔ جب کہ یہ الحاد دراصل واضح طور پر انکار خدا ہے۔ دیکھیے (mathew 1997)۔

سیکولر ہیومن ازم بھی الحاد ہی پر مبنی naturalistic philosophy ہے، جو تقریباً ۱۹۷۳ء کے بعد شروع ہوئی ہے۔ جس کے مطابق انسان غیر مخلوق ہستی ہے، جو خود بخود ارتقا کے نتیجے میں ظاہر یا پیدا ہوئی ہے، جس میں خود شعوری اور

اخلاق کی تمیز کی صلاحیت (moral agency) ہے۔سیکولر ہیومن ازم consequentialist ethics پر یقین رکھتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اخلاق نتائج کی بنا پر مانے جاتے ہیں۔اسے atheism اور agnosticism سے اگلی سٹیج مانا جارہا ہے۔

اس مقالہ میں ہم الحاد کو واضح معنی میں انکار خدا کے معنی میں لے رہے ہیں۔اس لیے کہ آج کا الحاد اسی معنی کا حامل ہے۔جیسا ہم نے عرض کیا الحاد کا انگریزی مترادف atheism ہے۔ جو یونانی لفظ atheos سے نکلا ہے، جس کے معنی without god کے ہیں۔انکارِ خدا اسلامی لحاظ سے تو خداے واحد کا انکار ہے۔لیکن تمام مذاہب کا خیال رکھا جائے تو دیوتاؤں اور خداؤں کے انکار کا نام بھی ہے۔ہم اہل اسلام کے لیے ایک اور اصلی خدا کا انکار ہی حقیقی الحاد ہے۔جھوٹے خداؤں کا انکار اسلام میں توحید کی علامت ہے۔

عصر رواں میں آزادی کے غیر محدود تصور کی وجہ سے پیدا ہونے والی آزاد سوچ ، تشکیک پسند استشکاف (sceptical inquiry) اور مذہب پر پچھلی صدیوں میں بڑھتی ہوئی تنقید کی وجہ سے ملحدین میں اضافہ ہوا ہے۔ الحاد کے حق میں استدلال، سائنس، فلسفہ، عمرانیات، اور تاریخ سے لایا گیا ہے۔مثلاً یہ کہ خدا کی موجودگی کے بارے میں ہمارے پاس کوئی شاہد (empirical evidence) موجود نہیں ہے، مسئلۂ شر (problem of evil)، اہل مذاہب میں خدا کا مختلف تصور، اختلاف شرائع انبیا وغیرہ۔ ۲۰۱۲ء کے سروے کے مطابق اس وقت دنیا میں لادین افراد کی تعداد تیرہ سے سولہ فیصد کے درمیان ہے۔اور اس تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔الحاد، جدید رجحان نہیں زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ بعض مذاہب نما فلسفے قدیم زمانے میں بھی موجود رہے ہیں جو کم از کم خدا کی بات کرتے دکھائی نہیں دیتے، جیسے جین مت اور بدھ مت، وغیرہ کے بعض مسالک الحاد پسند رہے ہیں۔

جدید الحاد کی نوعیت

قدیم الحاد ایک نوعیت میں سادہ تھا۔مگر آج کا الحاد نیچرل ازم، عمرانیات اور فلسفہ کے زیر سایہ بہت زیادہ مدلل ہو چکا ہے۔ہم ان دلائل کو جتنا بھی بودا کہیں، وہ اپنے اپنے نظام العلم میں مضبوط دلیلیں ہیں۔مثلاً مسئلۂ شر (problem of evil) فلسفے میں، خاص طور سے مارکس کے بعد، ایک بڑے مسئلے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔اسی طرح سائنس میں نظریۂ ارتقا اور بگ بینگ facts کی طرح مانے جا رہے ہیں۔ان کی بنیاد پر نئے نظریات وجود پذیر ہو رہے ہیں، جیسے کہ یہ کائنات لاشئ سے بنی ہے، اور جس طرح سے بنی ہے، اس میں خدا کی موجودگی ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

یعنی خدا کے بغیر اس کی تخلیق اور تدبیر امور کی توجیہ کچھ اس انداز میں کر دی گئی ہے کہ اب ہر علت و معلول کا رشتہ مادے سے شروع ہوتا اور مادے پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ عہد قدیم کا ممکن الوجود مادہ اب واجب الوجود بن چکا ہے، وہی خالق ہے، وہی قدیم ہے۔

پہلے الحاد کو ماننے والوں کو سوفسطائیت کا طعنہ دے کر رد کر دیا جاتا تھا، اب ایسا کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ الحاد کو اب سائنس اور ٹیکنالوجی کا سہارا حاصل ہے۔ سائنس نے زندگی کے ہر ہر میدان میں کامیابی حاصل کر لی ہے، جس کی وجہ سے ایک طرف لوگوں کا سائنس اور سائنس دانوں پر اعتماد پیدا ہو چکا ہے۔ اس قدر کہ ہمارے عہد میں یہ علم کا سب سے معتمد شعبہ بن چکا ہے۔ دوسری طرف سائنس کے اہل مذہب اور مذہبی کتابوں میں مسلسل غلطیاں ثابت کرنے کی وجہ سے ان پر لوگوں کا اعتماد ختم ہو رہا ہے۔ لہٰذا الحاد ایک مضبوط ترین نظریے کے طور پر سامنے آ رہا ہے۔ اس کو محض برا کہنے یا سوفسطائیت کا نام دے دینے سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اب علمی میدان میں اتر کر اس کا مقابلہ کیا جائے اور عقل و برہان کے ذریعے سے الحاد کو رد کیا جائے یا مذہب کو ثابت کیا جائے۔ اگر دونوں کام ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ملاحدہ کا استدلال

اہل الحاد کا استدلال کئی پہلوؤں سے سامنے آتا ہے۔ جن میں نمایاں ترین: مذہبی، تاریخی، عمرانی، فلسفیانہ اور سائنسی بنیادوں پر کیے جانے والے اعتراض ہیں۔ اب ہم ان تمام کو الگ الگ لے کر زیر بحث لاتے ہیں:

مذہبی استدلال

مذہبی استدلال کے معنی یہ ہیں کہ الحاد پرستی نے پچھلی ڈیڑھ دو صدی میں تقریباً تمام مذہبی کتابوں کو غلط ثابت کیا ہے۔ سائنسی بنیادوں پر بہت سے جملوں اور آیات کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ مثلاً بائیبل کا انسانی تاریخ کو زیادہ سے زیادہ چھ ہزار سال میں بند کرنا، جب کہ سائنس ساٹھ ہزار سال پرانے انسان کا ثبوت رکھتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید ہی کے بارے میں دیکھیں تو پوری پوری ویب سائٹس اس کے لیے موجود ہیں جس میں قرآن کی سائنسی، لسانی، جغرافیائی، تاریخی غلطیاں اور قرآن مجید کے داخلی تضادات بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔ غرض ملحدین کی طرف سے ہر

مذہبی کتاب کو غلط قرار دینے کی کوششیں جاری ہیں۔ قرآن مجید شاید ان میں سب سے زیادہ نشانۂ مشق بنایا جا رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ میں تمھیں صلیب کر دوں گا[1]۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ مصر میں صلیب کا رواج نہیں تھا۔ یا مثلاً یہ کہ قرآن مجید کسی جگہ کہتا ہے کہ اللہ کے نزدیک دن کی لمبائی ایک ہزار سال کے برابر ہے[2]، جب کہ دوسری جگہ خود قرآن ہی ایک دن کو پچاس ہزار سال[3] کے برابر قرار دے دیتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ پانچ چیزیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس میں رحم مادر میں بچہ اور بارش کا وقت شامل تھے۔ اب سائنس دانوں نے کم از کم ان دونوں کو جاننا شروع کر دیا تو پہلے مسلمان ان آیتوں کو سادہ معنی میں لیتے تھے اور اب معنی بدل دیے۔ مثلاً رحم مادر میں کیا ہے؟ اس سے مراد وہ یہ لیتے تھے کہ بیٹا یا بیٹی، مگر سائنسی اعتراض کے بعد انھوں نے شقی اور سعید (یعنی خوش بخت اور بد بخت) لینا شروع کر دیا۔ وغیرہ۔

اس عمل سے دراصل الحاد پرستوں نے مذہب کی بنیادیں ڈھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا مقصود یہ ہے کہ خدا تو وہ ذات ہے، جس میں غلطی نہیں پائی جاتی، اس کا علم کامل ہوتا ہے۔ جب ان کتب میں غلطی پائی گئی، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اللہ کی کتابیں نہیں ہیں۔ جب تمام کتب جن کے الہامی ہونے کا دعویٰ تھا، غلطیوں سے بھری ہوئی پائی گئیں، تو یہ بات ملحدین کی حد تک پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ موجود نہیں ہے، کیونکہ اگر اللہ ہوتے تو ان کتب میں ایسی واضح غلطیاں نہ ہوتیں۔ (أعوذ باللّٰہ أن أکون من الجاھلین)۔

تمام اہل مذہب اس چیلنج کی شدت کو صحیح طرح سے محسوس نہیں کر رہے ہیں، بلکہ سارے معاملے کو محض ایک سادہ روی سے لیا جا رہا ہے۔ شاید یہ سب معجزات کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ مصیبت خود ہی ٹل جائے گی، جب کہ ایسا ہونے والا نہیں ہے۔

مذہبی استدلال کا دوسرا حصہ مذہب پرستوں کا اخلاقی اور سماجی زوال ہے۔ اس وقت بد قسمتی سے مسلمانوں سمیت تمام مذہبی اقوام اپنے خدا کے ایمان کے باوجود ناکام و نامراد دکھائی دیتی ہیں۔ خود مغرب کے غلبہ کی وجہ عیسائیت کو نہیں، بلکہ سائنس، ٹیکنالوجی اور آزادی فکر کو قرار دیا جاتا ہے، جب کہ مذاہب بالعموم ان تینوں سے بیر رکھتے ہیں، یا

۱؎ الاعراف ۷: ۱۲۴۔ ’لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ‘۔

۲؎ السجدہ ۳۲: ۵۔ ’یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ‘۔

۳؎ المعارج ۷۰: ۴۔ ’تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ‘۔

کم از کم ان میں سے بعض کو پسند نہیں کرتے۔ مثلاً اسلام ہی کو دیکھیں تو وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو تو پسند کرتا ہے مگر مادر پدر آزادی فکر کو وہ بھی پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا ایک پکا مہذب ترین مسلمان بھی ایک ایسے سائنس دان کو تنگ کر سکتا ہے، جو غلط قسم کے نظریات کا حامل ہوگا۔ اس تنگ کرنے کے عمل کو وہ مذہب کی طرف سے سکھائی ہوئی بری اخلاقیات قرار دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اگر مذہب یہی کچھ سکھاتا ہے تو اس کو بہتر ہے نہ مانا جائے۔ ہم دیکھو کتنے اچھے ہیں کہ ہر کسی کو سوچنے سمجھنے اور جینے کی پوری آزادی دیتے ہیں۔ وغیرہ۔

ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ معجزات اور کرامات اگر اللہ تعالیٰ کرتے تھے تو اب کیوں نہیں ہوتیں۔ اب تو ہر کام اس طریقے سے ہو رہا ہے، جو سائنس کے مطابق طبعی قوانین کے ماتحت ہونا کہلاتا ہے۔ آج بھی اہل مذہب کو چاہیے کہ وہ جب بھوک لگے تو خود کھانے کے پاس جانے کے بجاے، کھانے کو اپنے پاس بلائیں۔

مذہبی استدلال کا ایک اہم حصہ یہ بھی ہے کہ الہامی کتابیں ایک دوسرے سے بہت سے امور میں مختلف ہیں۔ تورات، انجیل اور قرآن ہی کو دیکھ لیجیے کہ شریعت کے بہت سے امور میں مختلف ہیں۔ اس کو بھی مذہب کے خلاف دلیل بنایا جا رہا ہے کہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کتابیں اللہ کی نہیں ہیں۔ اگر اس کی ہوتیں تو ایک ہی خدا کی کتابیں ہونے کی وجہ سے ایک جیسی باتیں ہی کرتیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تاریخی استدلال

تاریخ انسانی کو اس رنگ میں پیش کیا جاتا ہے کہ جس سے یہ بات ثابت کی جاتی ہے کہ مذہب کی وجہ سے انسانوں نے انسانوں پر بے انتہا ظلم ڈھائے ہیں۔ عہد عتیق سے لے کر بوسنیا اور چیچنیا کے حالیہ واقعات تک کی تاریخ اس بات پر وہ شاہد بناتے ہیں کہ مذہب ایک خون ریزی کی تحریک ہے، جس نے نسلوں کی نسلیں خداؤں کے بھینٹ چڑھا دی ہیں۔ اگر مذہب حقیقی خدا یا خداؤں کا دیا ہوا ہوتا تو ایسا ہرگز نہ ہوتا، اور مذہب کی اس بے رحمانہ تاریخ کی روشنی میں ہم اسے مان ہی نہیں سکتے۔

وہ کہتے ہیں کہ اسلامی تاریخ بھی جنگ وجدل سے بھری ہوئی ہے۔ مسلمانوں نے غزوۂ بدر سے لے کر سلطنت عثمانیہ کے آخری دن تک معرکے جاری رکھے ہیں۔ اسلام تلوار کے ذریعے سے پھیلا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں ایک رحم دل اور شریف انسان دکھائی دیتے ہیں، مگر مدینہ میں آ کر اپنے ہی بھائیوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے، اور ایک سے زیادہ شادیاں کیں، جو عام بادشاہوں کی طرح کی زندگی لگتی ہے۔ بلکہ مدینہ میں آ کر ایک نابالغ بچی سے

شادی رچائی اور غلام بنائے اور انسانیت کی تذلیل کی۔(اللہ مجھے اس کفر کے نقل کے گناہ سے معاف کرے)۔
دیکھیے منٹگمری واٹ کی محمد ایٹ مدینہ(صلی اللہ علیہ وسلم)(WATT 1956) صفحہ ۳۲۷ اور اس سے آگے۔

عمرانی استدلال

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی معاشرے کے مطالعہ سے یہ ثابت کیا جائے کہ مذہب انسانوں کی اپنی پیدا کردہ چیز ہے۔اس کی تفصیل وہ یوں کرتے ہیں کہ شروع شروع میں انسان کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا، وہ کچھ اس طرح کے تھے کہ وہ جنگل میں ہوتا، سورج کی تیز شعائیں اس کو جلا کر رکھ دیتیں، آندھیاں طوفان اس کو ادھر ادھر پٹختے، زلزلے اس کو دہشت زدہ کر دیتے، شیر چیتے اس جیسے آدم زادوں کو نوچ ڈالتے، بھنبھوڑتے اور بسا اوقات کھا بھی جاتے، آسمانی بجلی گرتی اور سب کچھ جلا کر رکھ دیتی، بارش آتی کبھی سازگاری لاتی اور کبھی تباہی کا سامان بنتی۔ انسان ان چیزوں کے خوف میں مبتلا ہوا، ان کی توجیہ کرتا، بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یا یہ تمام چیزیں خود صاحب ارادہ ہیں یا ان کے پیچھے کوئی صاحب ارادہ ہستی ہے جو ان کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ جن لوگوں نے یہ توجیہ کی کہ یہ تمام چیزیں خود صاحب ارادہ ہیں، انھوں نے ان سب کو خدا مان لیا، اور جن لوگوں نے ان کے ماورا کسی ہستی کو صاحب ارادہ مانا، انھوں نے ان کو تو خدا نہیں مانا، مگر غیر مرئی کسی ذات یا کئی ذاتوں کو خدا مان لیا۔ پھر جیسے جیسے انسانوں کے تجربات سے چیزوں کی حقیقت واضح ہوتی گئی، ویسے ویسے خدا کی تعداد بھی کم ہوتی گئی۔ بعض قوموں نے تین، بعض نے دو اور بعض نے ایک خدا کا تصور قائم کر لیا۔ گویا جیسے جیسے انسان کا علم بہتر ہوتا گیا، ویسے ویسے چیزوں کی حقیقت واضح ہوتی گئی اور وہ چیزوں کو خدا سے غیر خدا کی فہرست میں ڈالتا گیا۔ اب انسان کا علم جس جگہ پہنچ گیا ہے، اس نے کائنات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اب اس ارتقا کی اگلی اسٹیج الحاد ہے۔ یعنی یہ ماننا کہ کوئی خدا موجود نہیں ہے۔ مثلاً Diettrich Bonhoeffer (Capitan 1972) کہتا ہے:

We are proceeding towards a time of no religion at all; men as they are now simply cannot be religious any more. (p 194)

''یعنی ہم ایک لادین وقت کی طرف بڑھ رہے ہیں، آج کا انسان اب مذہبی رہنے والا نہیں ہے۔''

اس استدلال کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے:

پروٹو۔ ہیومن سے مکمل انسان بنتے بنتے، انسانوں کے دل میں اپنے بارے میں درج ذیل سوالات ابھرے:

o موسم کو کون کنٹرول کرتا ہے؟ سورج کو کون لاتا ہے، ستارے کس کی وجہ سے حرکت میں ہیں؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

- o یہ طوفان کون لاتا ہے؟ بارش کس کے کہنے پر برستی ہے، قحط کون بھیجتا ہے؟ سیلاب کس کے حکم کے تابع ہیں؟
- o زرخیزی کس کے حکم سے قبیلے کی فصلوں اور بھیڑوں اور گائیوں میں برکت دیتی ہے؟
- o قبیلے کے نظام کو چلانے کے لیے کیا اصول وضوابط ہوں کہ قبیلہ پر امن طریقے سے رہ سکے؟
- o سب سے بڑھ کر یہ کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟

سائنس سے پہلے کی دنیا میں یہ سوالات جس قدر اہم تھے، اسی قدر ان کے جواب دینے کے لیے کوئی راستہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ وہ موسموں اور طوفانوں کے پیچھے کے اسباب وعلل کو جان ہی نہیں سکتے تھے۔ آج بھی سائنس کی اتنی ترقی کے باوجود ہم آخری دو سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا جو ان سوالات کے ساتھ آج ہو رہا ہے، وہ باقی تمام کے ساتھ ماضی میں ہوا۔ قبیلے کے بعض طبع آزما لوگوں نے خود اپنے خیال و وہم سے ان سوالات کے جواب دینے شروع کیے۔ یوں پہلا پہلا مذہبی تصور وجود میں آیا ہو گا۔

یہ وہ عمرانی استدلال ہے، جسے اختیار کر کے مذہب کے بارے میں یہ بات منوانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ مذہب انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ قدیم انسان کے ذہنی وہم سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، تو جس طرح پرانے انسان کی یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ زمین کسی بیل کے سینگ پر نہیں ٹکی ہوئی ہے، بلکہ خلا میں تیر رہی ہے، اسی طرح مذہب بھی غلط تصور ہے، اس لیے کہ اسے انسان ہی نے تراشا ہے، اور اس کے تراشنے کے لیے کوئی حتمی دلیل یا شاہد ان کے پاس نہیں تھا، لہٰذا یہ بھی غلط ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فلسفیانہ استدلال

اس استدلال کے دو حصے ہیں: ایک ان دلائل کا رد جنھیں اہل مذہب فلسفہ کے طرز واسلوب میں پیش کرتے رہے ہیں۔ مثلاً ڈیزائن سے ڈیزائنر پر استدلال سسٹم سے سسٹم بنانے اور چلانے والے پر استدلال۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں فلسفہ ہی کے کچھ سوالات ہیں جن کا جواب دینا ناممکن سمجھا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایک اہم سوال problem of evil ہے۔ اس کو فلسفی یوں بیان کرتے ہیں:

مذہب میں یہ مانا جاتا ہے کہ خدا اچھا ہے۔ خدا کو اچھا ماننا نہایت مشکل ہے، کیونکہ دنیا میں مصیبت ہی مصیبت ہے۔ برائی اپنی دونوں صورتوں (یعنی شر اور مصیبت کی صورت) میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اگر خدا اچھا ہے، اور وہ ہمارا خیال رکھتا ہے، وہ لمحہ لمحہ ہمیں دیکھ رہا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے تو ذیل کی سطور پر غور کریں:

o خدا قادر مطلق ہے۔

o خدا ہر چیز کو جانتا ہے، خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔

o خدا اچھا ہے۔

لیکن چونکہ دنیا میں برائی اور مصیبت موجود ہے، اس لیے تین میں سے کوئی ایک بات غلط ہو گی۔ مثلاً ایک بڑھیا کو گاؤں کے چودھری نے اس کے مرحوم شوہر کی زمینیں چھین کر گاؤں بدر کر دیا ہے۔ وہ ایک درخت کی کھو میں رہ رہی ہے۔ بھوک پیاس سے بے حال ہے۔ خدا کو پکارتی ہے، لیکن خدا اس کی نہیں سنتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

o خدا اس برائی اور مصیبت کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ یا

o اسے پتا ہی نہیں کہ برائی دنیا میں ہو رہی ہے۔ یا

o اسے پتا تو چل چکا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن وہ اچھا نہیں ہے۔ اسے بڑھیا جیسی انسانی تکالیف سے کوئی پروا نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ)

یہ تینوں باتیں خدا کے بارے میں ہمارے تصور سے ٹکراتی ہیں، جو پہلے تین نکات کی صورت میں ہم نے بیان کیں۔ لہٰذا اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یا ہمارا خدا کے بارے میں تصور غلط ہے یا خدا ہے ہی نہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ایک جواب اور اس کا رد

مذہب کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ خدا نے یہ سب ہمارے امتحان کے لیے بنایا ہے۔ اس دنیا میں برائی کا وجود ہمارے امتحان کے لیے ہے۔ اس پر اعتراض یہ کیا گیا کہ بچے سے کس بات کا امتحان؟ اس کو اتنی اتنی شدید تکالیف سے کیوں گزارا جاتا ہے؟ اس کے جواب میں اہل مذہب کہتے ہیں کہ اس سے ماں باپ کا امتحان ہوتا ہے۔ فلسفی یہ کہتے ہیں کہ اللہ کو کوئی اور اچھا طریقہ کیوں نہ مل سکا کہ والدین کو آزمائے؟ اسے اتنے معصوم کو تکلیف دینے ہی کا راستہ ملا، جب کہ وہ علم و حکمت والا مانا جاتا ہے؟

غرض اس طرح سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ دنیا مادے کی غیر شعوری حرکات سے اندھے طریقے پر پیدا ہوئی ہے۔ مصیبت اور برائی کی وجہ یہی ہے کہ یہ کائنات کسی ذاتِ حق کے ارادے سے نہیں، بلکہ مادے کی اندھی حرکات سے پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا اتفاق سے کبھی کام اچھا ہو گیا اور کبھی ناقص رہ گیا۔ اس دنیا کا یہ نقص بتا رہا ہے کہ نہ یہ دنیا خدا نے بنائی ہے نہ خدا موجود ہی ہے۔

سائنسی استدلال

سائنس خود مذہب کی دشمن نہیں ہے، لیکن کچھ فلسفی قسم کے لوگ، اس سے کچھ ایسے نتائج نکال رہے ہیں جو مذہب کو ڈھانے والے ہیں۔

طبعی قوانین کی حاکمیت

سائنس پچھلی ڈیڑھ صدی سے اس بات پر مصر ہے کہ یہ دنیا حکم الٰہی سے نہیں، بلکہ طبعی قوانین سے چل رہی ہے۔ غزالی اور ابن رشد کی لڑائی سے لے کر آج ہیوم اور کانٹ کی لڑائی کے بعد بھی یہ سوال پوری شدت سے موجود ہے۔ اگر ہم عام فہم زبان میں بات کریں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بگ بینگ کے وقت سے جو خصائص مادے میں پیدا ہوئے، یہ دنیا انھی کی تال میل سے بنی ہے اور انھی کے توافق ومخالفت سے چل بھی رہی ہے۔ مثلاً نمک کی خاصیت یہ ہے کہ وہ چیزوں کو نمکین کرے گا، اور نمک سوڈے کے ساتھ مل کر جھاگ بنائے گا اور جوش دکھائے گا، جیسے سوڈا واٹر کی بوتل میں نمک ڈالنے سے ہوتا ہے۔ جب بھی سوڈا، پانی اور نمک اکٹھے ہوں گے، یہ جوش ان میں آئے گا۔ خواہ یہ تینوں چیزیں ہوا سے اڑ کر اکٹھی ہو جائیں یا ایک انسان ایسا کرے۔ غرض یہ کہ سوڈے کے جوش مارنے کے لیے ایک عاقل کی مداخلت ہرگز ضروری نہیں ہے۔

مادے کے یہ خصائص بگ بینگ کے وقت خود ہی پیدا ہو گئے تھے، کیونکہ جس طرح دھماکا ہوا اور اس میں جس طرح سے ٹھنڈا ہونے پر پہلے مادے کے پارٹیکل بنے اور پھر ان کے بے ترتیب جڑنے پر ایٹم بنے۔ اس سے مختلف النوع مادے بنتے چلے گئے۔ ان کے اندر خود بخود جڑنے کی وجہ سے پروٹانوں اور نیوٹرانوں اور الیکٹرانوں کی تعداد مختلف تھی، ان کے اختلاف کی وجہ سے مادے کے ذرات کی خصوصیات مختلف ہوتی چلی گئیں۔ کئی قسم کے مختلف مادے وجود میں آ گئے۔ جنھیں ایلیمنٹس یا عناصر کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد انھی کے باہمی تعامل سے باقی کام ہوتے چلے گئے۔ مادہ ٹھنڈا ہوتا گیا اور اس کے کئی روپ سامنے آتے چلے گئے۔ مختلف درجہ حرارت، مختلف مادوں کی موجودگی، پانی وغیرہ کی موجودگی یہ وہ امور تھے، جن کے مختلف ہونے کی وجہ سے چیزیں بھی مختلف بنتی چلی گئیں۔ غرض Stephen Hawking کے بقول یہ کائنات نہ ہونے سے ہونے میں خود بخود آ گئی، اور چل بھی رہی ہے۔ جس طرح اس کے بننے میں مادے کے خصائص کی کارفرمائی ہے، ویسے ہی اس کے چلنے میں مادے ہی کی کارفرمائی ہے۔ مثلاً زمین وسورج اور چاند ستاروں کی باہمی کشش اور ان کی قوتِ حرکت جو بگ بینگ کے دھماکے سے وجود میں

آ ئی تھی، اس نظام کے قیام کا ذریعہ ہے جسے سولر سسٹم اور بڑے پیمانے پر کائنات کہتے ہیں۔

زندگی کے اسی مادے نے اپنی خاصیتوں کی بنا پر کاربن، نائٹروجن اور بجلی کی قوت سے وہ ابتدائی خلیے بنائے جو پروٹین وغیرہ کے بننے میں کام آتے ہیں۔ یوں سمندر کے کسی گوشے میں اچانک زندگی نے جنم لے لیا ہوگا، اور اربوں سالوں کا سفر کر کے وہ مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی انسان کے روپ میں ظاہر ہوئی، جو ابھی تک زندگی کی سب سے ترقی یافتہ صورت ہے۔

ان دونوں کے لیے سائنس دانوں کے پاس ناقابل تردید شواہد ہیں۔ وہ ان شواہد کو اس رنگ سے پیش کرتے ہیں، جس سے کائنات کا خود بخود پیدا ہونا، اور چلتے رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح fossils کی شکل میں موجود زندگی کی باقیات کو وہ اس ترتیب اور تناظر میں پیش کرتے ہیں کہ نظریۂ ارتقا ثابت ہوتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نفسیات سے استدلال

فرائڈ کی نفسیاتی دریافتوں سے لے کر آج تک جو نظریات بھی پیدا ہوئے ہیں، ان میں یہ تصور کافی غلبہ پائے ہوئے ہے کہ انسانوں کے اندر نیکی بدی کا تصور پیدایشی طور پر موجود نہیں ہے، بلکہ یہ صدیوں کی اجتماعی زندگی ہے، جس نے کچھ اصولوں کی شکل اختیار کی اور اخلاقیات وجود پذیر ہوئی۔ یہ کوئی خدائی فیصلہ نہیں ہے، بلکہ سماجی تصور ہے، جسے نسل در نسل انسان اپنے بڑوں سے سنتے آئے ہیں، یہ بھی اساطیر الاولین ہیں۔ انسان چونکہ سیکھنے والا جانور ہے، لہٰذا اس نے ماں باپ سے اس سبق کو سیکھ سیکھ کر اپنے مافی الضمیر کا حصہ بنا لیا ہے، حالاں کہ یہ اس کے ضمیر میں نہیں تھا۔ یہ super-ego ہے، جسے ہمارا سماج ہمیں سکھاتا ہے۔ اس تصور کو مانتے ہی تمام اخلاقیات ٹریفک کے قانون کی طرح سے غیر الٰہی، غیر ضروری اور غیر ابدی قانون بن کر رہ جاتی ہے۔ جس کی ضرورت صرف ٹریفک کے چلنے کی صورت میں ہے ویسے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ اس کے لیے دین کو تخلیق کیا جائے۔

اسی غیر اخلاقی قانون کو پرانے وقتوں میں مذہب کا رنگ دے دیا گیا تھا۔ اب یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اس اخلاق کی حیثیت اب روسو کے معاہدۂ عمرانی سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اسے نہ دین سمجھو، نہ دین کی طرح خیال کرو کہ یہ کوئی اخروی نجات کا ذریعہ ہے۔ یہ تو محض زندگی گزارنے کا ایک ایسا طریقہ ہے، جس میں انسان باہمی ہم آہنگی کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔ مذہب بھی اسی سوپر ایگو کا حصہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ذرائع علم کا مسئلہ

دورِحاضر میں ذرائع علم کو مادی تجربیت کے تحت محدود کر دیا گیا ہے۔ ایسے کسی ذریعۂ علم کو نہیں مانا جا رہا، جس میں دوسروں کو منوانا ناممکن ہو۔ مثلاً وجدان میں ایک شخص اگر ایک چیز محسوس کر رہا ہے، تو وہ دوسرے کو کیسے بتائے۔ مثلاً سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹے جب ان کے پاس قمیصِ یوسف لے کر آتے ہیں، تو ان کو محسوس ہوتا ہے کہ گویا یوسف آ رہے ہیں، تو اس احساس کے تحت وہ فرماتے ہیں کہ (اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ*) میں یوسف کی مہک کو محسوس کر رہا ہوں۔ اس کو بعض علما وجدان کی مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ اچھی مثال ہے، مگر اس کو دوسروں کو کیسے منوائیں۔ حضرت یعقوب جیسا بزرگ، نبی اور سچا انسان بھی اپنے گھر والوں کو یہ بات نہ منوا سکا۔ لہٰذا وہ بولے: 'تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ**' (باخدا آپ تو وہی پرانی بھٹکی بات میں پڑے ہوئے ہیں)۔ گویا ان کے اہل خانہ نے بھی اس وقت بات مانی ہوگی جب برادران یوسف ان کا کرتہ لے آئے۔

رہا وحی کے بطور ماخذ علم ہونے کا مسئلہ تو انھوں نے، جیسا ہم نے اوپر عرض کیا، الہامی کتب میں اپنے طور پر غلطیاں بتا کر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وحی کے نام سے پیش کی جانے والی کتب غلطیوں اور تضادات سے مملو ہیں، چونکہ خدا غلطی نہیں کر سکتا، اس لیے یہ اللہ کی کتب نہیں ہیں۔ چنانچہ نہ خدا ہے، نہ خدا نے وحی کبھی نازل کی ہے، اس لیے یہ کوئی ماخذ علم نہیں ہے، اگر یہ کتابیں ماخذ علم ہیں بھی تو ان میں غلطیاں ہیں۔ لہٰذا ان سے یقینی معنی میں سچا علم حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ قرآن مجید فرقان الحمید کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ پرانے انسان کے فہم کے مطابق زمین کے ساکن ہونے اور سورج کے گردش میں ہونے کا قائل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں زمین کے چلنے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ وغیرہ۔ مختصر یہ کہ الحادِ نو اس بات کو پوری قوت کے ساتھ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وحی کے نام سے موجود کتب قابل استناد نہیں ہیں، بلکہ (نعوذ باللہ) وہ اغلاط و تضادات کا مجموعہ ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مذہب کے متبادلات

مذہب کا انکار کر کے ایک خلا پیدا ہوتا ہے۔ الحاد نے اپنے پر پرزے کچھ اس شکل میں نکالے ہیں کہ اس نے یہ خلا

---

* یوسف ۱۲: ۹۴۔

** یوسف ۱۲: ۹۵۔

پیدا نہیں ہونے دیا ہے، بلکہ انسانوں کو غیر شعوری طور پر پچھلے دوسو سال سے ایسے نظریات دیے ہیں جو مذہب کی جگہ پر انسانی فطرت کے خلا کو پر کرتے ہیں۔ یوں مذہب کے متبادل کے طور پر انسانی وجود کو سامانِ تشفی فراہم کرتے ہیں۔ ان متبادلات کا فائدہ الحاد کو یہ ہے کہ انسان کی فطرت اگر مذہب کی پیاس محسوس کرے تو اصل پانی پلانے کے بجائے مصنوعی پانی سے اس کی پیاس بجھا دی جائے، تاکہ وہ اصل پانی، یعنی مذہب کا مطالبہ نہ کرے۔ اس اصول پر کہ انسان کو جو پیاس اصل میں صحیح مذہب کی ہے، لیکن وہ باطل مذاہب سے بھی اپنی یہ پیاس بجھا لیتا رہا ہے۔ اگر بت پرستی انسان کی دینی پیاس بجھا سکتی ہے تو پھر یہ تازہ افکار بھی انسان کی مذہبی پیاس کو بجھا سکتے ہیں۔ لہٰذا اس مقصد کے تحت درج ذیل نظریات کو شمار کیا جا سکتا ہے، جو مذہب کی پیاس کو بجھاتے ہیں، اور ان کے ہوتے ہوئے انسان کسی مذہب کی ضرورت محسوس نہیں کرتا:

قومیت یا وطنیت

ملت کا جو شعور ایک مذہب دیتا ہے، اس کی اگر کوئی چیز متبادل ہو سکتی ہے، تو وہ وطنیت یا قومیت ہے۔ اس چیز کا احساس علامہ اقبال رحمہ اللہ کو بھی ہوا چنانچہ ان کی زبان فصاحت بیان سے یہ شعر صادر ہوا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے مذہب کا کفن ہے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اقبال کا یہ احساس غلط نہیں ہے، اس لیے کہ اقبال کے ساٹھ ستر سال بعد اب یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آ گئی ہے کہ بہت سے افکار نے مل کر مذہب کے متبادلات فراہم کیے ہیں۔ جن میں سے ایک یہی وطنیت ہے۔ بظاہر حب الوطنی ہر قوم اور ہر نسل کے لیے ایک جذبہ وتحریک کا سامان ہے۔ قومیت کے نام پر حکومتیں اور ملک چلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ بھی حب الوطنی کی طرح کی ایک فطری اپچ ہے۔ مگر اس کی لے اگر اتنی بڑھا دی جائے کہ وہ مذہب کی جگہ لے لے تو اس کے معنی کچھ اور ہیں۔

معاہدۂ عمرانی اور حقوق انسانی کا چارٹر

دین معاملات میں حقوق وفرائض کی بات کرتا ہے۔ اسلام، یہودیت اور عیسائیت چونکہ الہامی مذاہب ہیں، اس لیے ان میں ان حقوق کا تذکرہ سب مذاہب کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ روسو کا معاہدۂ عمرانی اور اقوام متحدہ کا انسانی حقوق

کا چارٹر جیسی چیزیں دراصل اس ضمانت کا متبادل ہیں، جو مذہب کی طرف سے حاصل ہوتی تھی۔خدا کی ضمانت کو اقوام متحدہ اور معاہدۂ عمرانی کے تحت عوام کے لیے حکومت کی طرف سے یہ ضمانت دراصل مذہب سے بے نیاز کرتی ہے۔جس مقصد کے لیے لوگ مذہب اور آیاتِ الٰہی کا حوالہ دیا کرتے تھے، اب اس کی جگہ اقوام متحدہ کے چارٹر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

قانون

تمام ادیان اپنے ماننے والوں کے لیے شرائع تشکیل کرتے ہیں، تاکہ ان کی روزمرہ کی زندگی کو منظّم کرے اور ان کو حدود وقیود کا پابند کر کے ان کو پر امن انسان بنایا جائے، تاکہ وہ ایک اچھا باپ، شوہر، بھائی، ہمسایہ، افسر، اور حکمران وغیرہ بنائے۔اہل مغرب نے ان تمام چیزوں کے حل کے لیے قانون کا سہارا حاصل کیا ہے۔اب باپ اپنے بچوں پر شفقت اس لیے کرے گا فطری محبت کے ساتھ ساتھ کہ کہیں قانون اسے گرفت میں نہ لے اور اس کی اولاد اس سے چھین نہ لی جائے، اور بیٹا اب دین کی تلقین کے مطابق باپ کی ڈانٹ کو نہیں سنے گا، بلکہ وہ اس کے خلاف قانون کا سہارا لے سکے گا۔تمام آداب وشرائع سے حاصل ہونے والے تحفظ کی جگہ اب قانونی تحفظ کو حاصل ہوگی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

انسان مرکزیت (humanism)

انسان کے اندر نیکی کا جذبہ فاطرِ ارض وسمانے رکھا ہے۔اسی وجہ سے وہ نیکی کو پسند کرتا اور برائی سے اصلاً نفرت کرتا ہے۔انسان اپنی اس فطری اپچ کی تسکین کئی طریقوں سے کرتا ہے۔اسلام نے اس کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ایک متوازن نظام دیا ہے۔لیکن اب تمام نیکی کو ایک ہی نام دیا جا رہا ہے، وہ ہے انسان کا تحفظ وفلاح جس کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر مرکزی حیثیت دی جا رہی ہے۔

سوشل ورک

نیکیوں میں انسانوں کی خدمت ہر مذہب میں موجود رہی ہے۔بھوکے کو کھلانا، مسافر کی مدد، غریب سے تعاون، بیمار کی تیمارداری وعلاج یہ ہمیشہ سے ادیان میں اور بالخصوص ادیان براہیمی میں پوری آب وتاب سے موجود رہی

ہے۔لیکن انسانوں کے ساتھ اس ہمدردی کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ اور عبادات کا ایک نظام بھی موجود رہا ہے۔اب سوشل ورک کو بین الاقوامی سطح پر بہت اہمیت دی جارہی ہے۔اس نیکی کے کرنے کے لحاظ سے ابھی بھی یہ اہمیت کم ہے،لیکن ہم جس پہلو سے بات کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ انسان کے نیکی کے جذبے کی تسکین اب اسی سے کی جائے گی۔انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ غیر متوازن طریقے سے بھی اپنے جذبہ کی تسکین کر کے مطمئن ہو جاتا ہے۔مثلاً اگر وہ حقوق العباد پورے کرتا رہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی فطرت اسی پر اتنی مطمئن ہو جائے کہ وہ حقوق اللہ یا عبادتِ خدا کی ضرورت ہی محسوس نہ کرے۔اس کی ایک عام مثال ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے کہ بالعموم نماز روزے کا اہتمام کرنے والے سماجی نیکیوں میں کمزور ہوتے ہیں۔وہ معاشرتی اصلاحی کاموں میں کم ہی حصہ لیتے ہیں۔بسا اوقات ان کو اخلاقی میدان میں بھی کمزور پایا گیا ہے۔اس اصول پر سوشل ورک کرنے والے لوگ اپنے جذبۂ عبادت میں کمزور ہوتے ہیں، اس لیے کہ اس نیکی کا احساس ان کی دوسری نیکیوں کی پیاس کے لیے پانی کا کام کرتا رہتا ہے۔لہٰذا NGOs دراصل معابد کی جگہ لیتی جارہی ہیں، اور سوشل ورک عبادت کی۔ بلکہ بعضے تو یہ تک کہتے ہیں کہ یہی اصل نیکی ہے۔عبادت ریاضت تو قدیم انسان کے توہمات نے پیدا کی تھی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سیاسی جدوجہد

انسانی حقوق کی جنگ کے میدان میں جو جدوجہد سیاسی میدان میں کی جاتی ہے یا انقلابی نوجوانوں کی جدوجہد بھی سوشل ورک کی طرح عبادت کے جذبے کی تسکین بھی کرتی ہے۔

اصنام پرستی نو (neo-paganism)

انسان کی فطری تشکیل کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ غیبی چیزوں کو مانتا ہے۔لوگ اسی فطرت کی بنا پر توہمات کا شکار ہو جاتے ہیں۔بھوت پریت، جادو، اور غیبی قوتوں اور ان پر قابو پانا وغیرہ اسی فطرت سے پیدا ہونے والے باطل امور ہیں۔اسی سے لوک اور مذہبی داستانیں وجود میں آتی تھیں۔انسان کا یہی وہ رخ ہے جو (mythology) کو وجود پذیر کرتا ہے۔لیکن انسان کی یہی فطرت ہے جس کی وجہ سے وہ عقیدہ کو ماننے کے قابل ہوتا ہے۔انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ انسان کی یہ فطرت بھی باطل امور پر یقین رکھ کر مطمئن ہو جاتی رہی ہے، بلکہ لگتا یہی ہے کہ عجوبہ قسم کی باتوں سے اس کی اس فطرت کی تسکین زیادہ ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اب امریکا اور یورپ میں ایسا ادب تخلیق کیا

جا رہا ہے جو ان چیزوں کو mythology بنائے بغیر انسان کی اس عجوبہ پسندی کی تسکین کرے گا۔اس مقصد کے لیے فلمیں، ناول، ڈرامے وغیرہ تیار کیے جا رہے ہیں۔

اس کے علاوہ قدیم زمانے کے باطل خداؤں کو دوبارہ نئی صورتوں میں سامنے لایا جا رہا ہے۔

یہ ایک مختصر فہرست ہے، جو ابھی نامکمل ہے۔اس میں بہت سی باتیں یقیناً اور بھی ہوں گی۔ جو انھی متبادلات کا کردار ادا کرتی ہوں گی۔لیکن ہم یہاں اسی بات پر اکتفا کریں گے کہ انھیں بطور مثال سمجھا جائے کہ کس طرح کی چیزیں انسان کو مذہب کی ضرورت سے بے نیاز کرتی ہیں۔

الحاد کا جواب

ہمارے ادھر کم، مگر عیسائیت میں اس کا جواب دینے کی کوششیں بہت ہو رہی ہیں، اس لیے کہ یہ ان کے معاشرے کا اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ہمارے ہاں ابھی الحاد چھپا ہوا ہے۔لوگ اس کا برملا اظہار نہیں کرتے، مگر وہاں اب ملحد ہونے کو بیان کیا جاتا ہے، اس وقت ان کے معاشرے میں رجسٹرڈ ملحد ۱۶ فی صد سے زیادہ ہیں، اور ان کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس پر کام بھی زیادہ ہو رہا ہے۔

ہمارے ہاں جو کام ہوا ہے، اب وہ پرانا ہو گیا۔ وہ کام دراصل روس میں اشتراکیت کے غلبے کے پس منظر میں تھا۔لیکن اب سائنس کے پس منظر میں بننے والے اس الحاد کا جواب دینا ابھی باقی ہے۔قرآن مجید چونکہ فرقان اور میزان کی حیثیت سے نازل کیا گیا ہے، اس لیے مجھے یقین ہے کہ ہم مسلمان اگر قرآن وسنت کو بنیاد بنا کر اس مسئلے سے نبٹنے کی کوشش کریں تو زیادہ بہتر جواب لا سکیں گے۔

الحاد ایک ظن

قرآن مجید کے مخاطب دراصل وہ لوگ تھے، جو کسی نہ کسی صورت میں خدا کو مانتے تھے۔ بہت تھوڑے لوگ ایسے تھے، جو خدا کو نہیں مانتے تھے۔ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔سورۂ جاثیہ (۴۵) میں ہے:

وَقَالُوۡا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ. (۲۴)

اللہ رب العزت نے اس دہریت کا جواب یہاں صرف یہ دیا ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ محض اٹکل سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس بات کے معنی یہ ہیں کہ انکارِ خدا کی کوئی دلیل دہریوں کے پاس موجود نہیں ہے۔ البتہ بلاثبوت رائے کوئی بھی بنا سکتا ہے، جیسا کہ عہدِ نبوی کے دہریوں نے بنا رکھی تھی۔ اس وقت کی دہریت کی حقیقت بھی یہی ہے۔ اگلی سطور میں ہم اس دہریت کے ظنی ہونے کو واضح کریں گے۔

انکار خدا پر دلیل کا فقدان

ابھی تک کوئی ایسی دلیل اہل الحاد کے پاس نہیں ہے کہ جس سے انکارِ خدا لازم آتا ہو۔ صرف اتنا ہوا ہے کہ بہت سے امور کی مادی توجیہات مزید معلوم ہو گئی ہیں۔ مثلاً اہل مذہب ہر چیز کے لیے کہہ دیتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ لیکن سائنس دان کہتے ہیں کہ یہ اس سبب سے ہوا ہے، اور وہ اُس سبب سے ہوا۔ لیکن بہت سے کاموں کے اسباب کا علم ہونا خدا کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

اسلام بھی سبب اور مسبب کے اس کھیل کو مانتا ہے۔ لیکن آخر الامر خدائے عظیم و برتر کی مداخلت کا قائل ہے۔ اسی لیے علمائے متکلمین بھی علت و معلول کے رشتے کو دیکھتے رہے، لیکن وہ تسلسل کے قائل نہیں تھے، اول سبب حکم الٰہی کو ہی قرار دیتے تھے، ورنہ تسلسل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم رہے گا۔ متکلمین کی یہ بات نہ صرف عقلی ہے، بلکہ نقل کے معیار پر بھی پوری اترتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں آیا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ.[۴]

اس آیت میں دیکھیے کہ کس طرح ظاہری اسباب اور حقیقی سبب، یعنی مشیت الٰہی کو ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے۔ بارش سے پہلے ہواؤں کی کارفرمائی، ان کا پانی کے بوجھ سے بھاری ہونا، اور پھر ان کا کسی بے آب و گیاہ زمین پر جا کر برسنا، اور پھر پانی ملنے کے سبب وہاں پودوں اور پھل پھولوں کا پیدا ہونا، سب ظاہری اسباب گنوائے گئے ہیں۔ لیکن ان ظاہری اسباب کے ساتھ ساتھ ایک اور چیز ہے جو ان کا اصل سبب ہے، وہ جمع متکلم کے صیغے یا 'هُوَ الَّذِيْ' کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے، یعنی الٰہ العالمین کی ذات۔

ان اسباب کے ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مشیت الٰہی موجود نہیں ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص

[۴] الاعراف ۷: ۵۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ کہے کہ گنے کے رس نکالنے کی وجہ ان دو پلیوں (pulley) کے درمیان میں سے گزرنا ہے اور وہ یہ بھول جائے کہ ان پلیوں کو یوں رکھنے میں کسی انجینئر کا ہاتھ ہے۔ یہ دونوں پلیاں ایسا کام خود نہیں کر رہی ہیں، بلکہ ان کے یوں رکھے جانے (positions) کی وجہ سے ایسا کر پاتی ہیں۔

الہامی کتب پر اعتراضات کا جواب

یہ مضمون اس کی گنجایش تو نہیں رکھتا کہ یہاں تمام اعتراضات کا جواب دے دیا جائے، جو دینی کتابوں بالخصوص قرآن و حدیث پر وارد کیے گئے ہیں، البتہ میں اتنی بات اصولی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ قرآن پر جتنے اعتراضات ہوئے ہیں، ان میں ہمارے تراجم، تفاسیر کا زیادہ دخل ہے۔ براہ راست جو قرآن پر اعتراضات ہوئے ہیں، وہ محض نکتہ چینی ہے، قرآن مجید کے سیاق وسباق اور الفاظ و اسالیب وغیرہ کا خیال کیے بغیر کیے گئے ہیں۔ یہاں ہم چند ایک مثالیں بیان کریں گے جس سے وہ نہج واضح ہو جائے گی کہ میری رائے میں الحاد کا جواب کیوں کر دیا جا سکتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اعتراض

قرآن مجید پر بہت سے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں بہت سے تضادات ہیں۔ خود قرآن مجید اس بات کو دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے کہ:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا.[5]

یعنی وہ کتاب جس میں تضادات ہوں وہ اللہ کی کتاب نہیں ہے۔ تضادات کی بہت سی مثالوں میں سے ایک یہ کہ اللہ کے دن کی لمبائی مختلف جگہوں پر مختلف بیان کی گئی ہے، اس لیے کہ تئیس سال میں تیار ہونے والی کتاب کا مصنف (نعوذ باللہ) بھول گیا کہ پہلے اس نے کیا بات کہی اور بعد میں کیا کہنا چاہیے۔ چنانچہ دیکھیے ایک مقام پر کہا گیا ہے کہ اللہ کا دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے:

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ.[6]

دوسرے مقام پر قرآن مجید ہی کہتا ہے کہ ایک دن کی لمبائی پچاس ہزار سال ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ.[7]

۵؎ النساء ۴: ۸۲۔

۶؎ الحج ۲۲: ۴۷۔

جواب

یہ اعتراض محض عجلت میں کیا گیا ہے۔قرآن مجید کے الفاظ پر دھیان دیا جائے تو یہ اعتراض معترض کے لیے شرمندگی کا باعث ہوگا۔ پہلے مقام میں الفاظ ہیں 'وَاِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ'، یعنی اللہ کے نزدیک یا اللہ کے شمار میں ایک دن کتنا لمبا ہے: جب کہ دوسرے مقام میں اللہ کے دن کی لمبائی بتائی ہی نہیں جا رہی ہے، وہ تو صرف ایک عرصہ بتایا جا رہا ہے کہ جس میں فرشتے زمین سے خدائے پاک کے دربار میں پہنچیں گے۔ دونوں کا مضمون بالکل الگ الگ ہے۔ تضاد تو اس صورت میں ہوتا کہ دونوں جگہ یہ کہا جاتا کہ دن کی مقدار اللہ کے نزدیک اتنی اور اتنی ہے۔

اصل میں عربی زبان میں دن بمعنی یوم بھی بولا جاتا ہے، اور بمعنی عرصہ بھی۔ جتنی زبانیں میں جانتا ہوں، ان سب میں لفظِ 'دن' ان دونوں معنی میں بولا جاتا ہے۔ مثلاً اردو میں دیکھیے :

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اگر کوئی اس شعر میں چار دن واقعی بارہ بارہ گھنٹے یا چوبیس چوبیس گھنٹے کے دن سمجھے تو شعر اس کے لیے عجیب و غریب معنی دے گا۔ اسی طرح انگلش میں کہا جاتا ہے: At the end of the day، اس کا مطلب ہے کسی کام کے اختتام پر خواہ اس کی لمبائی کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: in this day and age، اس کے معنی ہیں: اس زمانے میں، یعنی عہد حاضر میں یا آج کل۔ غرض 'دن' کا لفظ زمانے اور وقت کے معنی میں آتا ہے۔ اسی معنی میں قرآن مجید نے بھی استعمال کیا ہے۔

ایک اور اعتراض

تضاد ہی کی قسم کا ایک اور اعتراض لفظِ 'یوم' ہی کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ قوم عاد کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے:

كَذَّبَتۡ عَادٌ فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِيۡ وَنُذُرِ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِيۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ۔[8]

۷؎ المعارج ۷۰:۴۔

۸؎ القمر ۵۴: ۱۸-۱۹۔

یہاں ایک دن کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے مقام پر اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِيۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيۡهِمۡ سَبۡعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوۡمًا فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِيۡهَا صَرۡعٰى كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ۔[9]

یہاں ایک دن کے بجائے واضح طور پر سات راتیں اور آٹھ دن بتایا گیا ہے۔ یہ بھی معترضین کے نزدیک ایک اعتراض ہے۔ ایک ہی عذاب کو ایک جگہ ایک دن کا کہا گیا ہے اور دوسری جگہ سات راتوں اور آٹھ دنوں کا۔ یہاں بھی وہی یوم کے معنی کا مسئلہ ہے۔ یوم پہلے مقام میں عرصہ کے معنی میں آیا ہے اور دوسرے مقام میں دن کے معنی میں۔ اسی لیے قرآن مجید نے پہلے مقام پر یوم کی ایک صفت مستمر بیان کی جو کہ ایک قرینہ تھا، اس بات کا کہ یہ یہاں نہار یا دن کے معنی میں نہیں، بلکہ عرصہ کے معنی میں آیا ہے۔

قرآن مجید پر ہونے والے تمام اعتراضات کی نوعیت یہی ہے۔ اس لیے اگر ان تمام اعتراضات کا جواب دے دیا جائے تو الحاد کی ایک بڑی دلیل بالکل بودی ثابت ہو کر رہ جائے گی۔ اور یقینی بات یہ ہے کہ اس وقت ان کا سب سے بڑا سہارا یہی دلیل ہے، لہٰذا اس کے ٹوٹتے ہی الحاد کو ایک کاری دھچکا لگے گا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قرآن اور سائنس کا ٹکراؤ

ملحدین کا یہ اعتراض کہ قرآن مجید میں کہیں بھی زمین کو سورج کے گرد گردش کرتے نہیں بتایا گیا، صرف سورج اور چاند وغیرہ کی گردش کا ذکر ہے۔ اس لیے قرآن قدیم علم ہیئت کے مطابق ہی باتیں کر رہا ہے، اس لیے وہ اللہ کی کتاب نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقت تو یہ واضح ہوئی ہے کہ زمین گردش کر رہی ہے۔ یہی حقیقت سات آسمانوں کی ہے، بدھ ازم اور دوسرے علاقوں کے تصوراتِ ارض و سما میں آسمان سات ہی تھے، اس لیے قرآن مجید نے بھی سات ہی کا ذکر کر دیا۔ گویا یہی حق ہو۔ اس طرح کی اور بھی بے شمار چیزیں ہیں۔ جو معترضین نے گنوائی ہیں۔ ان سب کا اس مضمون میں ذکر کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا بطور مثال انھی دو کے جواب تک محدود رہتے ہیں، جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سب کے جواب ممکن ہیں۔

پہلی بات یہ کہ قرآن مجید سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ مسلمانوں کے لیے میری یہ بات ناگوار ہو۔ لیکن یہ اصولی بات واضح رہنی چاہیے۔ یہ ہدایت کی کتاب ہے۔ اس میں مظاہر قدرت صرف بطور دلیل بیان ہوئے

9۔ الحاقہ ۶۹: ۶-۷۔

ہیں۔سائنسی دریافت کے بیان کے لیےنہیں۔مثلاً قرآن مجید نے جہاں ارض وسما کا ذکر کئی اعتبار سے کیا ہے۔کہیں صرف ہمیں دکھائی دینے والے ستاروں سیاروں کے لیے، کہیں پوری کائنات کے لیے۔البتہ جہاں سات آسمانوں کا ذکر ہے۔ وہ میرے خیال میں نظام شمسی ہی کا ذکر ہے۔ نظام شمسی آٹھ سیاروں اور ایک ستارے پر مشتمل ہے۔زمین کو اگر نکال دیا جائے تو باقی سات سیارے بچتے ہیں۔لیکن چونکہ اس سے علما نے پوری کائنات بھی مراد لیا ہے، اس لیے میں اس تفسیری امکان کو رد نہیں کرتا۔علما کی تفسیر کی رو سے ملحدین کا اعتراض قائم تو رہتا ہے اور جواب بھی ساتھ ہی موجود رہتا ہے کہ تم سائنس دانوں نے کون سی پوری کائنات دریافت کر لی ہے کہ مذاہب کے ساتھ آسمانوں والی کائنات کا انکار کرو۔

اب رہا زمین کی گردش کا مسئلہ، تو اگر قرآن نے زمین کی گردش کا ذکر نہیں کیا تو یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس میں زمین کے ساکن ہونے کا ذکر بھی نہیں ہے۔قرآن کا نقص تو اس صورت میں تھا کہ وہ زمین کو ساکن کہہ دیتا جیسا اس زمانے کا نظریہ تھا۔یہ بھی حیرت انگیز بات ہے کہ وہ سورج چاند ستاروں کی گردش کا ذکر کرتا، جو اس زمانے کے لوگوں کا نظریہ تھا۔لیکن کمال مہارت سے زمین کی گردش کے ساکن ہونے کا ذکر بھی نہیں کرتا۔اس لیے کہ مظاہر قدرت کی ایسی باتیں جو اس وقت کے نظریات سے ٹکراتی تھیں، ان کا ذکر کر کے اصل دعوت کو پس پشت ڈالنے کے برابر تھا۔قرآن کا سارا زور تنقید عقائد، بدعات اور غلط قسم کے دینی تصورات پر تھا۔اس لیے کہ وہ دین ہی کی اصلاح کے لیے آیا تھا، سائنسی علوم کی اصلاح کے لیے نہیں۔ یہاں تک کہ جنگوں میں اسلحہ کی ضرورت پڑی تو اس کا اشارہ تک نہیں کیا کہ آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ کوئی تیز قسم کا ہتھیار یوں بنالو، لیکن یہ بتا دیا کہ رسول کی موجودگی میں میدان جنگ میں نماز کیسے پڑھو گے[۱۰] یا ایسے مواقع پر نماز قصر کر لو گے۔اسی سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کا موضوع سائنس نہیں ہے۔اس نے دین کی تو جزئیات تک بتائی ہیں، لیکن سائنس کی نہیں۔اسی طرح کی مثال وہ آیت ہے جس میں پانچ چیزوں کے علم کا ذکر ہے کہ قیامت کے آنے کا وقت، بارش کے نازل ہونے کا وقت، رحم مادر میں کیا ہے، کل کوئی کیا کیا کمائی کرے گا، اور کون کس جگہ مرے گا کوئی نہیں جانتا۔یہ آیت کا مفہوم نہیں، بلکہ تفسیر ہے۔قرآن مجید میں اس آیت کے الفاظ کا استعمال ۱۴۰۰ برس پہلے جس چابک دستی سے کیا گیا ہے معجزانہ ہے۔اس زمانے میں پانچ کی پانچ چیزوں پر وہی الفاظ بولے جا سکتے تھے۔لیکن خدائے علیم وخبیر نے دو چیزوں کے ساتھ الفاظ تبدیل کر دیے ہیں۔اب مفسرین کی تفسیر پر تو اعتراض باقی ہے، مگر قرآن پر باقی نہیں رہا۔ذیل میں آیت پیش کرتے ہیں تا کہ بات

۱۰؎ واضح رہے کہ اس طریقہ کی ضرورت شاید تین چار مواقع سے زیادہ نہیں پڑی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پوری طرح واضح ہو جائے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (لقمان ۳۱:۳۴)

''بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبر دار ہے۔''

آیت کے ذیل میں مرقوم ترجمہ شبیر احمد عثمانی صاحب کی تفسیر عثمانی سے لیا گیا ہے یہ ترجمہ محمود الحسن صاحب کا ہے۔ مولانا ۱۹۲۰ء میں وفات پا گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ابھی سائنس اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی اور ابھی الٹرا ساؤنڈ وغیرہ ایجاد نہیں ہوا تھا۔ لیکن ان کا ترجمہ بھی وہی ہے جو قرآن کے الفاظ کے مطابق درست ہے۔ جب کہ تفسیر میں یہی بات لکھی ہے کہ یہ پانچ غیب ایسے ہیں جن سے اللہ نے کسی کو آگاہ نہیں کیا۔

ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ اللہ نے یہ بات ہرگز نہیں کی کہ بارش ہونے کا وقت صرف اللہ جانتا ہے اور یہ بھی صرف اللہ جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے۔ بلکہ صاف الفاظ میں بس اتنا کہا گیا ہے کہ ''وہ بارش اتارتا ہے'' اور ''جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے''۔ ان دونوں کے معاملے میں دوسروں کے جاننے کی نفی نہیں کی گئی۔ خواہ ان دونوں چیزوں میں سائنس دانوں کا علم نہایت تھوڑا ہے۔ مثلاً وہ بلا شبہ نہیں جان سکتے کہ وہ ذہین ہو گا یا کند ذہن، نیک ہو گا یا بد، لیکن وہ یہ جاننے لگے ہیں کہ بیٹا ہو گا یا بیٹی اور جسمانی طور پر نارمل ہو گا یا نہیں۔ وہ شاید ایک ایک قطرے کا حساب نہ رکھتے ہوں، مگر کافی حد تک بارش کے ہونے اور زیادہ یا کم ہونے کے صحیح اندازے لگانے لگے ہیں۔ جس سے قرآن پر حرف آ سکتا تھا۔ لیکن قرآن نے نہایت عمدہ الفاظ چنے ہیں۔ جس پر ذرا بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کسی تاویل کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ایک مثال عیسائیت سے

رچرڈ ڈاکن[11] نے ایک عیسائی سے مناظرے میں کہا: کیا عیسیٰ اللہ کے بیٹے تھے؟

پادری: ہاں

[11] ''The God Delusion'' کا مصنف۔

ڈاکن: اللہ نے اپنے بیٹے کو کیوں مروادیا۔ کون سا باپ ہے جو اپنے بیٹے کو مروانا چاہے گا؟

پادری: اللہ نے ایسا انسان کے بھلے کے لیے کیا اور اپنے بیٹے کو صلیب پر چڑھایا تاکہ انسان اس ازلی گناہ سے جان چھڑا لے، جو آدم سے اس کے کھاتے میں لکھا چلا آ رہا ہے۔

ڈاکن: اللہ عقل مند ہے یا نہیں؟

پادری: ہاں اللہ اپنی عقل میں کامل ترین ہے۔

ڈاکن: تو اللہ اگر عقل میں کامل ہے تو اس کی عقل نے کوئی اور اچھا راستہ کیوں نہ نکالا؟[12]

ڈاکن کی بات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ جب تک پادری اپنے خودساختہ دین پر جما رہے گا ڈاکن کو جواب نہیں دے سکے گا۔ یہاں پادری کو فوراً یہ کہنا چاہیے تھا کہ یہ بات نہ تورات میں ہے اور نہ انجیل میں۔ یہ تو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بہت بعد عیسائیت میں خود ہی شامل کر لی تھی۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات ایسی ہیں ہی نہیں کہ ان پر یہ اعتراض کیا جا سکے۔ مراد یہ ہے کہ جو باتیں خود انسانوں نے مذاہب میں اپنی طرف سے اضافہ کر دی ہیں، انھیں حق پسندی کے تحت دین سے نکال دینا ہو گا، وگرنہ ان انسانی اضافوں کی وجہ سے اللہ کے دین کا دفاع مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ انسان خطا کے پتلے ہیں، غلطی کر سکتے ہیں، جب کہ اللہ اور اس کے تمام رسول غلطی سے پاک ہیں، اس لیے صرف ان کا بے آمیز دین ہی قابل دفاع ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ایک احتیاط کا مشورہ

ان اعتراضات کا جواب دیتے وقت، ہمارے عہد میں سائنس کے مقابلے کے لیے ایک غلط روش اپنائی گئی ہے۔ سرسید احمد خان سے لے کر جناب ذاکر نائیک صاحب تک کے بہت سے علما کے ہاں یہ طرز عمل اپنایا گیا ہے کہ قرآن کو سائنس کے مطابق ثابت کر کے یہ بتایا جائے کہ دیکھو قرآن یہ کہتا ہے اور یہ بات سائنس نے آج کہی ہے۔ اس طرز عمل کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے سائنس کو حاکم مان لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حاکم ہے۔ اور سائنس ایک انسانی علم ہے جس کو انسانوں نے سمجھا ہے، لہٰذا غلطی کا امکان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید کی بہت سی تفسیریں اس طرح سے کی گئیں کہ جس میں قرآن کی بات کو بدل دیا گیا۔

۱۲؎ واضح رہے کہ یہ ایک وڈیو میں موجود گفتگو کو اپنے الفاظ اور انداز میں بیان کیا گیا ہے، بات یہی ہے، مگر الفاظ اور پیرائے کا فرق ہے۔

مثلاً، ایک مفسر نے سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم کی ان آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے، جن میں سیدنا مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کا ذکر تھا، ایسے معنی کیے کہ جس سے انھیں سیدہ مریم کی شادی یوسف نجار سے کرانی پڑی اور اس آیت سے استدلال کیا کہ 'وَلَنُ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيُلًا'، یعنی اللہ کی سنت یہ ہے کہ انسان ایک مرد وعورت سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے سیدنا عیسیٰ کی پیدایش میں اس سنت کی خلاف ورزی ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ تم اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

اس تفسیر کے پچیس تیس سال بعد ہی یہ ہوا کہ کلوننگ اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے اصول پر صرف ایک رحم مادر کو استعمال کرتے ہوئے، آپ کسی بھی انسان یا جانور کو پیدا کر سکتے ہیں، جس میں شوہر والا کردار کسی نے بھی ادا نہ کیا ہو۔ اور تو اور ایک کنواری کے بطن میں بکارت کے زائل کیے بغیر نطفہ کو انجیکٹ کر کے اولاد جنوائی جا سکتی ہے۔

اس لیے لازم یہ ہے کہ یہ احتیاط کی جائے کہ قرآن کے الفاظ کا احترام کیا جائے اور کوئی ایسی تفسیری کوششیں نہ کی جائیں جن کے بعد ہمیں بار بار قرآن کے ترجمے اور تفسیریں ہی بدلنی پڑیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سائنس کا جواب یا رد

خدا کے ثبوت کا طریقہ؟

پرانے زمانے میں بھی الحاد تھا، مگر اسے سائنس کا سہارا حاصل نہ تھا۔ جو کچھ تھا وہ محض الفاظ وتصورات کا گورکھ دھندہ تھا۔ مثلاً کسی امام کے نسبت یہ واقعہ سنایا جاتا ہے کہ انھیں کسی ملحدوں کے مناظرے میں جانا تھا، اور جان بوجھ کر دیر سے آئے۔ ملحدوں نے ان سے کہا کہ ہم آپ سے کیا مناظرہ کریں، آپ تو وقت کے ہی پابند نہیں ہیں۔ امام صاحب نے آگے سے فرمایا: دراصل اس جگہ آنے کے لیے میرے راستے میں ایک دریا پڑتا ہے، جسے عبور کرنا پڑتا ہے۔ میں آج جب دریا کے کنارے پہنچا تو وہاں دریا پار کرانے والا کوئی ملاح موجود نہیں تھا۔ میں کافی دیر ملاح کا انتظار کرتا رہا، پھر اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت خود بخود کٹا، اس کے تنے سے تختے بھی خود بخود بن گئے۔ پھر میں اور حیران ہوا کہ وہ تختے پانی پر تیرتے تیرتے ایک ساتھ اکٹھے ہوئے اور درخت سے بننے والے دِلے (لکڑی کے کیل) خود ہی ان تختوں کو جوڑنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک کشتی تیار ہوگئی۔ وہ کشتی آ کر میرے پاؤں کے پاس

رک گئی اور میں اس میں سوار ہو کر دریا کے پار آ لگا اور پھر یہاں پہنچا ہوں۔ اس سارے عمل کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔

ملحد مناظر نے کہا: امام صاحب، ایک آپ تاخیر سے آئے، آپ نے وعدہ خلافی کی اور دوسرے آپ اب جھوٹ بھی بول رہے ہیں!

امام صاحب نے کہا: یہ جھوٹ کیسے ہے؟

مناظر بولے: اتنا کچھ خود بخود نہیں ہو سکتا۔ امام صاحب نے کہا: اگر یہ چھوٹا سا کام خود بخود نہیں ہو سکتا تو اتنی بڑی کائنات خود بخود کیسے بن سکتی ہے۔

یہ سن کر مناظر بے بس ہو کر خاموش ہو گیا۔

پرانے زمانے میں یہ نہایت مسکت جواب تھا۔ لیکن آج یہ عوام کے لیے تو مسکت ہے، لیکن بڑے بڑے سائنس دانوں اور ملحدوں کے لیے ایسا نہیں ہے، کیونکہ اب وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ والے کام تو آج بھی خود بخود نہیں ہوتے، لیکن کائنات خود بخود بنی ہے، ان کے پاس اس کے شواہد ہیں۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے باورچی خانے میں تو ہنڈیا خود بخود نہیں پکتی، مگر باہر باغ میں سیب خود بخود پک جاتا ہے۔ آپ کے نہانے کے لیے غسل خانے میں پانی خود بخود نہیں آئے گا، لیکن سبزہ اگانے کے لیے بارش خود بخود آ رہی ہے۔ کائنات جس طرح اس وقت طبعی اصولوں پر چل رہی ہے، اسی طرح طبعی اصولوں پر بنی تھی۔ لیکن کشتی کا بننا، ہنڈیا کا پکنا، نہانے کے لیے آپ کی ٹینکی میں پانی کا بھرنا طبعی اصولوں کے تحت نہیں آتا، اس لیے یہ کام تو خود بخود نہیں ہوں گے۔ لیکن وہ کام البتہ خود بخود ضرور ہوتے رہتے ہیں جو طبعی اصولوں پر ہوتے ہیں۔ آپ کے کچے صحن میں ہو سکتا ہے کہ کسی وقت آم کا ایک درخت اچانک اگ آئے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک آم آپ کی فریج میں اچانک آ موجود ہو۔

اصل استدلال کیا ہو؟

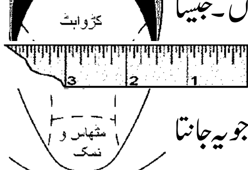

اب اصل استدلال صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ہم کائنات میں ان کاموں کو موجود ثابت کر دیں جو طبعی اصولوں کے تحت ممکن ہی نہیں ہیں۔ مثلاً ایک مثال سے اپنی بات کو واضح کرتا ہوں۔ جیسا کہ تصویر سے واضح ہے، ہماری زبان پر مختلف ذائقے چکھنے کی صلاحیت مختلف مقامات پر رکھی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری زبان کا ڈیزائن اس نے بنایا ہے جو یہ جانتا تھا کہ چیزوں میں ذائقہ ہوتا ہے اور اس کی کچھ مختلف صورتیں ہیں۔ اگر یہی مادہ اور طبعی قوانین

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہی ہمارے اور ہماری زبان کے خالق ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس مادی یا طبعی اصول سے ایسا ہوا ہے۔ صاف لگتا ہے کہ زبان پر ذائقے کے یہ حصے اس ذات نے مقرر کیے ہیں، جو نہ صرف یہ جانتی تھی کہ مادے کی مختلف چیزوں میں ذائقہ ہوتا ہے، بلکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ انسان کو کون کون سے ذائقے دیے جائیں، تا کہ وہ ایک مناسب حد تک زندگی گزار سکے۔ اس طرح کی وہ تمام چیزیں دریافت کی جانی چاہییں، جو مادی اصولوں کے تحت ناممکن ہیں۔

ثبوت کے دو طریقے: آفاق کی صحیح توجیہ

اوپر ہم نے یہ بات جو بیان کی ہے، اس کے پیچھے ایک مانا ہوا اصول کارفرما ہے۔ وہ یہ کہ empiricism کے اصول کے تحت صرف دو ہی طریقوں سے کسی چیز کو ثابت کیا جا سکتا ہے: ایک حواس کے ذریعے سے اور دوسرے inductive طریق استدلال اور تجربے کے ذریعے سے۔ مثلاً اگر میں ایک چیز کو خود اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھ لوں، تو یوں بھی ایک چیز ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اس میں شک رہتا ہے، اس لیے کہ حواس دھوکا کھا جاتے ہیں۔ مثلاً اے سی والے کمرے سے نکل کر آنے والے کو عام درجۂ حرارت والا کمرا گرم لگے گا، اور دھوپ سے آنے والے کو وہی کمرا ٹھنڈا لگے گا۔ تو آیا جب ہم کسی چیز کو دیکھ رہے ہوتے ہیں تو کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ ہماری آنکھ دھوکا کھا گئی ہو یا کسی اثر میں آ گئی ہو۔ قرآن مجید نے بھی حواس کے بارے میں اس امکان کو مانا ہے: 'مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی'[13]۔ یعنی آنکھ کے مشاہدے کے وقت آنکھ بھٹک بھی سکتی تھی اور وہ حقیقت سے متجاوز بھی کچھ تصور کر سکتی تھی، لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ پاک بین نے اس مشاہدہ میں ایسی کوئی چوک نہیں کی۔ اسے ایک اور مثال سے سمجھیے۔ ذیل میں اس لائن کو فٹ (scale) کے بغیر صرف حواس کے ذریعے سے ماپیں:

اپنے نگاہ کے اندازے بتائیں کہ یہ لائن کتنی لمبی ہے؟ مثلاً آپ کا خیال ہے یہ ایک انچ ہے، تو کسی کا خیال ہوگا کہ سوا انچ ہے، کوئی اسے دو انچ کی قرار دے دے گا۔ غرض جتنے لوگ ہوں گے، شاید اتنے ہی مختلف سائز اس کے قرار دیے جائیں۔ اب ان تمام آرا میں فیصلہ کیسے کیا جائے گا؟ کیا کسی بڑے کی بات مان لی جائے، یا فلسفی کی یا سیانے کی؟ نہیں، ان میں سے کسی کی نہیں۔ empiricism کہے گا کہ فٹے کی بات ماننا ہوگی۔ پانچ روپے کا ایک فُٹا ہی صرف اس کی صحیح لمبائی بتا سکتا ہے۔ اس مثال سے یہ بتانا پیش نظر ہے کہ اب کے چیزیں اس طرح ثابت نہیں ہوتیں کہ صرف ارسطو کے کہنے پر مان لیا جائے کہ عورت کے دانت مرد کے مقابلے میں زیادہ ہوتے ہیں۔ یا چچا جان بڑے

۱۳؎ النجم ۵۳: ۱۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہیں، اس لیے ان کے کہنے پر مان لیا جائے کہ اس وقت ان کو جو سردی لگ رہی ہے، وہی اصل موسمی حالت ہے۔

اصل طریقۂ استدلال

اوپر کی مثال سے یہ بات واضح ہے کہ محض حواس کی بات نہیں مانی جائے گی، بلکہ ایک معیاری پیمایش کا آلہ ہوگا جس کے تحت فیصلے کیے جائیں گے۔ یہ تجربہ وامتحان کے معیار پر پورا اترنا ہے۔ بعض قدرتی اعمال کے لیے پیشین گوئیاں کی جاتی ہیں کہ اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو پھر فلاں تاریخ کو مثلاً سورج گرہن ہوگا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ inductive logic کے طریقے پر آثار سے ایسا نظریہ قائم کیا جائے جو تمام مواد (data) کو صحیح معنی میں سمجھا دے۔ پہلے ایک سادہ مثال سے بات کو سمجھتے ہیں: آپ صحرا میں جا رہے ہوں، اور یکا یک ریت پر کسی کے پاؤں کے نشان نظر آ جائیں تو ہم ان نشانوں سے ایک اَن دیکھے انسان کو مان لیتے ہیں، اور اگر وہیں ایک سلگتا ہوا سگریٹ کا ٹکڑا بھی پڑا ہو، تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ وہ ان دیکھا انسان ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں پر ہی تھا۔

اب ایک ذرا پیچیدہ مثال لیتے ہیں، ایک سراغ رساں جس طرح مجرم تک پہنچتا ہے، اسی طرح ایک سائنس دان ایک نظریہ قائم کرتا ہے۔ مثلاً ایک علاقے میں قتل ہوا، مقتول کے پاس ایک جوتا ملا، وہ جوتا کسی مرد کا ہے۔ کسی محلے والے نے بتایا کہ فلاں شخص کو قتل کی رات مقتول کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ مگر جب وہ جوتا اس شخص کو پہنایا گیا تو وہ اسے پورا نہیں آیا۔ مزید تلاش و جستجو کے بعد مقتول کے ہاتھ سے کچھ بال ملتے ہیں، جو شاید بوقت قتل اپنے دفاع میں نوچے گئے تھے۔ یہ بال اسی شخص کے ہیں، جسے اس رات وہاں دیکھا گیا تھا۔ آلۂ قتل شاید چھری ہے، جس کے دندانے ہونے چاہییں، کیونکہ مقتول کے زخم والی جگہ کچھ ایسا منظر پیش کر رہی ہے، جیسے اسے کسی آری سے کاٹا گیا ہو۔ مزید تلاش کے بعد وہ آلۂ قتل کوڑے دان سے ملتا ہے۔ جس پر قاتل کے بجائے مقتول کے فنگر پرنٹس ہیں۔ جوتے کے ایک پاؤں کی تلاش میں مذکورہ آدمی کا گھر اور مقتول کا گھر پوری طرح چھانا جاتا ہے، مگر وہ نہیں ملتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں معلوم ہوتا ہے کہ مقتول کی موت اس رات نہیں ہوئی جس رات اس شخص کو وہاں دیکھا گیا تھا۔ مقتول کے لباس میں کپڑے میں اٹکا ہوا ایک ناخن ملتا ہے جس پر ناخن پالش لگی ہوئی تھی، یہ ناخن اصلی تھا، اور جیسے کسی چیز میں پھنس کر ٹوٹ کر الگ ہو گیا ہو۔ پہلے ہی دن ایک ہمسائے سے معلوم ہوا تھا کہ مقتول کے پاس ایک عورت بھی آیا کرتی تھی۔ اس عورت کی تلاش شروع ہوتی ہے، ایک دفعہ پھر مقتول کے گھر میں تلاش ہوتی ہے ایک کتاب میں سے ایک خط ملتا ہے، جس پر کسی کا پتا ہوتا ہے، وہ نام پتا اسی شخص کا ہے، جس کو مقتول کے گھر کے پاس

دیکھا گیا تھا۔ خط کا مضمون دوستانہ ہے۔ نئی تلاش میں ایک گلاس ہاتھ لگتا ہے، جس پر مقتول اور مذکورہ شخص کے علاوہ کسی اور کے فنگر پرنٹس ملتے ہیں۔ یہ گلاس صوفے کے نیچے ہوتا ہے۔ فنگر پرنٹس کے ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ یہ ایک عورت کے ہیں۔ عورت کے گھر کی تلاش میں جوتے کا ایک پاؤں مل جاتا ہے، جس کا تلوا کاٹ دیا گیا ہے۔ کوڑے دان کی تلاش میں ایک خالی پیکٹ ملتا ہے، جس میں آلۂ قتل فٹ بیٹھتا ہے۔

یہ سب معلومات ایک data ہے، جس میں ایک مقتول ہے اور data دو قاتلوں کی طرف امکانات کا اظہار کر رہا ہے۔ اب ایک ایسا حل ڈھونڈنا ہے، جو ان ساری باتوں کو ایسے حل کر دے کہ ہر چیز کا جواب مل جائے، اور حقیقی قاتل کا پتا بھی چل جائے۔ ان آثار کو جوڑ کر صحیح حل تک پہنچنا ہی inductive استدلال ہے۔

سائنس دانوں نے ڈھیروں اور ٹنوں (tons) کے حساب سے جو مواد اکٹھا کیا ہے، اسے جوڑ کر انھوں نے بگ بینگ کا خود بخود کائنات کے پیدا ہونے کا حل دیا ہے۔ اوپر دو قاتلوں والی مثال ہی یہاں فٹ بیٹھتی ہے کہ کائنات کے بارے میں اکٹھے کیے گئے اس مواد کا صحیح حل خالق ہے یا حادثہ ہے؟

میں صرف یہاں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمان سائنس دانوں کو آگے بڑھ کر اس سارے مواد کی نئی توجیہ کرنی ہے جو سارے مواد کو نہ صرف حل کر دے، بلکہ کائنات کے حقیقی خالق تک بھی لے جائے۔ میں نے اوپر جو ذائقے کی مثال دی ہے، وہ ان مثالوں میں سے ایک ہے جو حادثے والی توجیہ کو ناقص قرار دیتی ہے، اس لیے کہ حادثہ صاحب علم نہیں ہوتا، جب کہ ذائقہ کے لیے زبان پر ان حاسوں کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ چیزوں کے ذائقے جاننے والے نے یہ حاسے بنائے ہیں۔ جب کہ بے روح مادہ، اور بے عقل حادثہ اس کا علم کیسے رکھ سکتا تھا، جب کہ انسان جیسا ذی شعور بھی چکھے بغیر ان کے ذائقے سے واقف نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنی بس یہی ہیں کہ یا مادے کو ذی علم ماننا پڑے گا یا مادے کے علاوہ کسی ایسے خالق کو ماننا پڑے گا جو ذی علم ہے۔ بگ بینگ یا نظریۂ ارتقا کے عملِ فطری چناؤ اس قابل نہیں کہ اس طرح کے اقدامات کر سکے، جو چناؤ کے بجائے کسی اور چیز کا پتا دیتے ہوں۔

آج کی آفاقی دلیل یہی ہے کہ سائنس کے اکٹھے کیے ہوئے مواد کی ایسی توجیہ (interpretation) کر دیں کہ تمام مواد حل (explain) ہو جائے، اور کوئی پہلو اس کا تشنہ نہ رہ جائے۔

انفس کی دلیل

علم نفسیات کو مغرب نے اس نہج پر پروان چڑھایا ہے جس کی بساط فرائڈ اور اس کے مابعد ماہرین نے بچھائی تھی۔

ہمیں اس وقت اس علم میں بھی آگے بڑھنا ہے، طریقۂ کار بھی بدلا جا سکتا ہے، لیکن میری ناقص رائے میں ان کا طریقۂ کار بھی نہایت سود مند ہے۔ اس میں مختلف پہلوؤں سے انسانوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے مسلمان نفسیات دان آگے بڑھ کر اس علم کی بنیاد پر بہت سی چیزیں ثابت کر سکتے ہیں۔ مثلاً ایک نفسیات دان نے تحقیقی طور پر یہ بتایا ہے کہ مذہبی اور مافوق الطبعی تصورات ہمارے دماغ میں پیدایش کے وقت ہی ڈال دیے جاتے ہیں، جس سے مذہب ہمیں ایک نفسیاتی قوت عطا کرتا ہے۔ ایک ویب سائٹ پر اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

برسٹل یونیورسٹی میں ڈویلپ مینٹل سائیکالوجی کے پروفیسر بروس ہُڈ کی تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ مافوق الفطرت قسم کے عقائد اور جادو قسم کے تصورات کی ہماری پیدایش کے وقت ہی سے ہمارے ذہن میں وائرنگ کر دی جاتی ہے۔ لہٰذا مذہب ایک نہایت قوی نفسیاتی قوت سے فیض پاتا ہے۔

The findings of Bruce Hood, professor of developmental psychology at Bristol University, suggest that magical and supernatural beliefs are hardwired into our brains from birth, and that religions are therefore tapping into a powerful psychological force.[14]

(اس لیے) پروفیسر ہڈ یہ یقین رکھتا ہے کہ لوگوں کو عقائد ترک کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش بے سود ہے، اس لیے کہ عقائد انسانوں کی فطرت سے اٹھتے ہیں۔

Professor Hood believes it is futile to try to get people to abandon their beliefs because these come from such a 'fundamental level'.

اسی ویب سائٹ پر پروفیسر hood کی طرف سے یہ باتیں بھی لکھی گئی ہیں کہ:

پروفیسر کہتا ہے: ہماری تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ بچے طبعی طور پر ایک وجدانی طرز فکر رکھتے ہیں جو انھیں مافوق الفطرت چیزوں کو ماننے کی طرف دھکیلتے ہیں کہ وہ کائنات کے بارے میں سوچیں کہ وہ کیسے چل رہی ہے۔

'Our research shows children have a natural, intuitive way of reasoning that leads them to all kinds of supernatural beliefs about how the world works,' he said.

۱۴؎ http://www.dailymail.co.uk/news/article-1211511/Why-born-believe-God-Its-wired-brain-says-psychologist.html#ixzz2te7YiYsc

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اگرچہ وہ بڑے ہو کر ان عقائد کو عقلی روپ دینے لگتے ہیں، لیکن غیر منطقی طریقے سے مافوق الفطرت وجود کو ماننے کا عقیدہ مذہب کی حیثیت سے پھر بھی موجود رہتا ہے۔

'As they grow up they overlay these beliefs with more rational approaches but the tendency to illogical supernatural beliefs remains as religion.'

پروفیسر جو اس ہفتے برٹش سائنس ایسوسی ایشن کی سالانہ میٹنگ میں یہ تحقیق پیش کرنے جا رہے ہیں، وہ مدون قسم کے مذاہب کو اسی مافوق الفطرت چیزوں کو ماننے کے ہالے ہی کا حصہ مانتے ہیں۔

The professor, who will present his findings at the British Science Association's annual meeting this week, sees organized religion as just part of a spectrum of supernatural beliefs.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس دریافت کے بعد tabula rasa کا فلسفیانہ نظریہ کہ انسان کا ذہن پیدایش کے وقت خالی سلیٹ کی طرح ہوتا ہے، دم توڑ جائے گا۔ ابراہیمی مذاہب کا یہ نظریہ محکم ہو گا کہ ہم نے خدا کا تصور انسان کو عہد الست کے وقت ذہن نشین کرا دیا تھا۔ میرے خیال میں علم نفسیات نے بچوں پر جو کام کیے ہیں، وہ مذہب کے حق میں نہایت محکم جگہ پر لے جا رہے ہیں۔ بچہ اپنی پیدایش کے دن ہی سے قلب و ذہن میں ذکی اور ایک صاحب علم ہستی ہوتا ہے۔ اس درازگوئی کا مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ اب ہم سائنسی معنی میں آفاقی اور انفسی دلائل سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ خدا ہے۔ جب خدا ہے تو مذہب یا دین ہے۔ اور جب دین ہے تو اسلام سب سے زیادہ صحیح اور organized مذہب ہے۔

کتابیات

Capitan, William H. Philosophy of Religion An introduction. New York: Pegasus, 1972. mathew. http://infidels.org. 1997.
http://infidels.org/library/modern/mathew/intro.html (accessed January 20,

Adler, Margot (2006) (First published 1979). Drawing Down the Moon: Witches, Druids, Goddess-Worshippers and Other Pagans in America (Revised Edition ed.). London: Penguin Books. ISBN 978-0-14-303819-1.

Berger, Helen (1999). A Community of Witches: Contemporary Neo-Paganism and Witchcraft in the United States. Columbia, South Carolina: The University of South Carolina Press. ISBN 1-57003-246-7.

Berger, Helen; Ezzy, Douglas (2007). Teenage Witches: Magical Youth and the Search for the Self. New Brunswick, New Jersey and London: Rutgers International Press. ISBN 978-0813540207.

Blain, Jenny; Ezzy, Douglas; Harvey, Graham (2004). Researching Paganisms. Oxford and Lanham: AltaMira Press. ISBN 978-0-7591-0522-5.

Clifton, Chas; Harvey, Graham (2004). The Paganism Reader. Routledge. ISBN 978-0-415-30352-1.

Gardell, Mattias (2003). Gods of the Blood: The Pagan Revival and White Separatism. Durham, North Carolina: Duke University Press. ISBN 978-0822330714.

Hanegraaff, Wouter J. (1996). New Age Religion and Western Culture: Esotericism in the Mirror of Secular Thought. Leiden: Brill Academic Publishers. ISBN 90-04-10696-0. 2014).

WATT, W. MONTGOMERY. "Muhammad at Median." London: OXFORD, AT THE CLARENDON PRESS, 1956.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ڈاکٹر عرفان شہزاد

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات

نمایاں اعتراضات کا جائزہ

(۳)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نمایاں اعتراضات کا جائزہ دنیوی عذاب نافذ کرنے کے دو طریقے

رسولوں کے اتمام حجت کے بعد منکرین رسول پر دنیوی عذاب برپا کرنے کے لیے دو مختلف صورتیں اختیار کی گئیں: ایک قدرتی طاقتوں جیسے ہوا، زلزلہ وغیرہ کے ذریعے سے عذاب نازل کیا گیا اور دوسرے انسانی ہاتھوں کے ذریعے سے یہ عذاب مسلط کیا گیا۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ اس کی وجوہات درج ذیل معلوم ہوتی ہیں:

i۔ قدرتی طاقتوں کے ذریعے سے عذاب انھی رسولوں کی قوموں پر آیا، جن رسولوں کو اپنے پیروکاروں کی اتنی افرادی قوت میسر نہ آسکی کہ وہ اپنی قوم کے منکرین کا استیصال ان کے ذریعے سے کر سکتے، جیسے نوح، صالح، شعیب علیہم السلام، ان کی قوموں کے منکرین پر یہ عذاب آندھی، طوفان سیلاب، زلزلہ وغیرہ کی صورت میں آیا۔

ii۔ یا اگر کسی رسول کو افرادی قوت میسر تو آ گئی، لیکن کوئی دار الہجرت میسر نہ آسکا جہاں وہ اپنا آزاد نظم اجتماعی قائم کر پاتا جو موثر جنگی اقدامات کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، جنھوں نے بنی اسرائیل کی وافر افرادی قوت دست یاب ہونے کے باوجود فرعون کے خلاف مسلح کارروائی نہیں کی، نہ اس کی کوئی جدوجہد ہی

شروع کی۔ چنانچہ فرعون اور اس کی قوم بھی قدرتی طاقتوں کی مدد سے ہی تباہ کیے گئے۔

iii۔ تاہم، جب رسول کو مناسب افرادی قوت حاصل ہو جائے اور اسے دارالہجرت بھی میسر آ جائے، جہاں ان کا آزاد نظم اجتماعی قائم ہو جائے، تو منکرین پر، اتمام حجت کے بعد، عذاب نازل کرنے کی ذمہ داری رسول کے ساتھیوں کو منتقل ہو جاتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔ صحراے سینا میں جب بنی اسرائیل کا آزاد نظم قائم ہو گیا تو ان کے نہ چاہنے کے باوجود، ان کو اپنے قرب و جوار میں بسنے والی دیگر منکر قوموں کے خلاف مسلح جہاد کا حکم دیا گیا اور اس حکم کی خلاف ورزی پر ان کے لیے ۴۰ سال کی ذلت اور صحرا گردی کی سزا مقدر کر دی گئی۔ (دیکھیے: المائدہ ۵: ۲۰-۲۶)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اصطلاحی معنی میں رسول تھے اور آپ کی قوم کو بھی اس دنیوی سزا و جزا کے ضابطۂ الٰہی سے کوئی استثنا نہیں تھا۔ پورے قرآن مجید میں بار بار آپ کی قوم کو اس دنیوی عذاب سے خبردار کیا گیا تھا۔ مثلاً، سورۂ قمر میں ہی دیکھیے کہ گذشتہ رسولوں کی قوموں پر ان کے انکار کے بعد آنے والے دنیوی عذاب کی سرگذشت ایک ایک کر کے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ. (۵۴: ۴۳)

''(قریش کے لوگو، پھر) تمھارے یہ منکرین کیا اُن سے کچھ بہتر ہیں یا صحیفوں میں تمھارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ میں اپنے پیروکاروں کے ساتھ ایک آزاد نظم اجتماعی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور آپ کو مومنین کی قابل لحاظ تعداد بھی میسر آ گئی، چنانچہ اتمام حجت کے بعد آنے والے عذاب کا ان مومنین کے ہاتھوں برپا ہونے کا اعلان قرآن مجید میں صاف لفظوں میں کر دیا گیا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ. (الانفال ۸: ۶۲)

''تو اللہ تمھارے لیے کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید کی۔''

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ

''ان سے کہہ دو کہ تم ہمارے معاملے میں جس چیز کے منتظر ہو، وہ اِس کے سوا کیا ہے کہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے۔ لیکن ہم تمھارے معاملے میں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مُّتَرَبِّصُوۡنَ. (التوبہ ۹:۵۲)

جس چیز کے منتظر ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ تم پر اپنے ہاں سے عذاب بھیجے گا یا ہمارے ہاتھوں سے۔ سو انتظار کرو، ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہیں۔''

قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ. (التوبہ ۹:۱۴)

''ان سے لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے اُن کو سزا دے گا اور اُنھیں ذلیل و خوار کرے گا اور تمھیں اُن پر غلبہ عطا فرمائے گا اور مومنوں کے ایک گروہ کے کلیجے (اِس سے) ٹھنڈے کرے گا۔''

اس سارے معاملے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بھی افرادی اور عسکری لحاظ سے دشمن کے مقابلے میں جب کبھی کمزور پڑے تو فرشتوں اور ہوا کی قدرتی طاقتوں سے ان کی غیبی مدد کی گئی۔ جنگ بدر اور جنگ احزاب میں یہی صورتیں پیش آئیں، لیکن جب مسلمان، افرادی اور عسکری لحاظ سے طاقت ور ہو گئے تو پھر غیبی مدد اس طرح نازل نہیں ہوئی، سارا کام مسلمانوں کے زور بازو سے لیا گیا، جیسا کہ جنگ احد اور حنین میں پیش آیا۔

یہ بات طے ہو جانی چاہیے کہ بنیادی مسئلے میں اختلاف نہیں ہے۔ رسولوں کی دعوت کے بعد ان کی قوم کے منکرین پر اسی دنیا میں ایک خاص مدت کے بعد آخری سزا کے طور پر عذاب آیا ہے۔ جس کی دو صورتیں ہیں: ایک قدرتی آفات کے ذریعے سے اور دوسرے رسول کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے؛ نیز، یہ کہ اب اس طرح یہ عذاب نہیں آتا اور وجہ معلوم ہے کہ اب کوئی رسول اتمام حجت کرنے نہیں آتا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا. (بنی اسرائیل ۱۷:۱۵)

''ہم (کسی قوم کو) کبھی سزا نہیں دیتے، جب تک ایک رسول نہ بھیج دیں (کہ سزا سے پہلے وہ اُس پر حجت پوری کر دے)۔''

صحابہ کے ہاتھوں دنیوی عذاب کی دو صورتیں

اتمام حجت کے بعد صحابہ کے ہاتھوں اس دنیوی عذاب کی دو صورتیں مقرر کی گئیں:

i۔ استیصال، یعنی منکرین کا مکمل خاتمہ، یہ سزا مشرکین کے لیے مقرر کی گئی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ii۔محکومی کی خصوصی سزا، یہ سزا منکرین اہل کتاب کے لیے مقرر کی گئی۔

مشرکین کے ساتھ قتال کا آخری حکم یہ دیا گیا:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبہ۹:۵)

''(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان براءت) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

اور اہل کتاب کو محکوم بنا لینے کا حکم نازل ہوا، جزیہ اس محکومی کی علامت کے طور پر نافذ کیا گیا:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ. (التوبہ۹:۲۹)

''(اِن مشرکوں کے علاوہ) اُن اہل کتاب سے بھی لڑو جو نہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اللہ اور اُس کے رسول کے حرام ٹھیرائے ہوئے کو حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (اُن سے لڑو)، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ماتحت بن کر رہیں۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس زمانے میں جزیہ محکومی اور ذلت کی علامت ہی سمجھا جاتا تھا، نہ کہ حفاظت کی ضمانت کا ٹیکس۔ اور اسی مفہوم کو قران نے 'صٰغِرُوْنَ' یعنی ''ماتحت بن کر'' کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ مولانا عمار خان ناصر اپنی کتاب ''جہاد: ایک مطالعہ'' میں لکھتے ہیں:

''تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتوح علاقوں کے غیر مسلموں پر عائد کیے جانے والے اس مالی فریضے کے ساتھ ذلت، رسوائی اور محکومی کا تصور لازمی طور پر وابستہ تھا اور مفتوحین پر اس کا نفاذ سزا اور عقوبت کے پہلو سے کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر جواد علی اپنی کتاب ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' میں اس کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

والجزية من الالفاظ المستعملة عند الجاهليين كذلك بدليل ورودها فى القرآن الكريم

وقد خصصت فی الاسلام بما یوخذ من اھل الذمۃ علی رقابھم وقد کان الجاھلیون یاخذون الجزیۃ من المغلوبین وکانت عندھم الضریبۃ التی توخذ عن رؤوس المغلوبین یدفعونھا الی الغالب فدفعتھا القبائل المغلوبۃ للقبائل الغالبۃ علی اساس الرؤوس.

(المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۵/۳۰۶)

’’جزیہ ان الفاظ میں سے ہے جو زمانۂ جاہلیت میں بھی بعینہٖ اسی طرح استعمال ہوتا تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اسلام میں یہ لفظ خاص طور پر اس رقم کے لیے بولا جاتا ہے جو اہل ذمہ سے اشخاص کے لحاظ سے وصول کی جاتی ہے۔ اہل جاہلیت مغلوب ہو جانے والوں سے جزیہ وصول کیا کرتے تھے اور ان کے نزدیک اس کا تصور ایک ایسے ٹیکس کا تھا جو مغلوب گروہ کے افراد غالب گروہ کو ادا کرتے ہیں۔ مغلوب قبائل افراد کی تعداد کے لحاظ سے غالب قبائل کو جزیہ ادا کیا کرتے تھے۔‘‘ (۸۴)

بنی اسرائیل کو استیصال کی سزا کیوں نہ ملی؟

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اللہ تعالیٰ کے دو خصوصی قوانین ہیں: ایک قانون اتمام حجت اور دوسرا ذریت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خدا کا خصوصی قانون۔ یہ قوانین ایک دوسرے سے متعلق بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کے اپنے اپنے اطلاقات ہیں۔ ان کو الگ الگ سمجھنا ضروری ہے، ورنہ خلط مبحث ہو جاتا ہے۔

ذریت ابراہیم کے ساتھ خدا کا خاص عہد

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے اظہار اور تبلیغ کے لیے منصبِ رسالت و نبوت کا انتظام کیا ہے۔ اس منصب کے لیے وہ صرف افراد ہی کو بطور نبی و رسول نہیں چنتا، بلکہ اقوام کو بھی اس کے لیے منتخب کرتا ہے:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ. (الحج ۲۲: ۷۵)

’’اللہ فرشتوں میں سے بھی (اپنے) پیغام بر چنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ (اِس سے وہ خدائی میں شریک کیوں ہو جائیں گے)؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (خود) سمیع و بصیر ہے۔‘‘

اسی اصول کے تحت ذریت ابراہیم کو چنا گیا:

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ

’’اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کی

وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ. (آل عمران ۳:۳۳)

ذریت کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اُن کی ہدایت کے لیے) منتخب فرمایا۔‘‘

پہلے مرحلے میں ذریت ابراہیم کی ایک شاخ، بنی اسحٰق یا بنی اسرائیل کو اس منصب کے لیے چنا گیا اور دوسرے مرحلے میں بنی اسمٰعیل کو۔

اس منصب کی تعیناتی کو میثاق یا عہد کہا گیا ہے۔ بنی اسرائیل سے اس عہد کا تذکرہ قرآن میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ. (البقرہ ۲:۴۰)

’’اے بنی اسرائیل، میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی تھی اور میرے عہد کو پورا کرو، میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔‘‘

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (النحل ۱۶:۹۵)

’’تم اللہ کے عہد کو تھوڑی قیمت کے عوض نہ بیچو۔ (خدا کے بندو)، اگر تم جانو تو جو کچھ خدا کے پاس ہے، وہی تمھارے لیے بہتر ہے۔‘‘

پھر بنی اسمٰعیل سے اس عہد کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ. (الحج ۲۲:۷۸)

’’اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا کہ اِس جدوجہد کا حق ہے۔ اُسی نے تم کو (اِس ذمہ داری کے لیے) منتخب کیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمھارے باپ ابراہیم کا طریقہ تمھارے لیے پسند فرمایا ہے۔ اُسی نے تمھارا نام مسلمان رکھا تھا، اِس سے پہلے بھی اور اِس (آخری بعثت کے دور) میں بھی۔ اِس لیے (منتخب کیا ہے) کہ رسول تم پر گواہی دے اور دنیا کے باقی لوگوں پر تم (اس دین کی) گواہی دینے والے بنو۔‘‘

رسولوں اور ذریت ابراہیم کے اس منصب کو منصبِ شہادت (گواہی) کا اصطلاحی نام دیا گیا ہے۔ یعنی جو منصبِ شہادت رسول کو انفرادی حیثیت میں دیا گیا ہے، وہی ذریت ابراہیم کو بحیثیت قوم دیا گیا ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.

(البقرہ ۲: ۱۴۳)

''اور (جس طرح مسجد حرام کو تمھارا قبلہ ٹھیرایا ہے)، اِسی طرح ہم نے تمھیں بھی ایک درمیان کی جماعت بنا دیا ہے تاکہ تم دنیا کے سب لوگوں پر (حق کی) شہادت دینے والے بنو اور اللہ کا رسول تم پر یہ شہادت دے۔ اور اِس سے پہلے جس قبلے پر تم تھے، اُسے تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے ٹھیرایا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ یہ ایک بھاری بات تھی، مگر اُن کے لیے نہیں، جنھیں اللہ ہدایت سے بہرہ یاب کرے۔ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ (اِس طرح کی آزمایش سے وہ) تمھارے ایمان کو ضائع کرنا چاہے۔ اللہ تو لوگوں کے لیے بڑا مہربان ہے، سراسر رحمت ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مذکورہ بالا آیت میں بنی اسمٰعیل اسی منصب کی وجہ سے شہدا، یعنی گواہ قرار دیے گئے ہیں۔ اسی نسبت سے بنی اسرائیل کو بھی شہدا کہا گیا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ.

(آل عمران ۳: ۹۹)

''اِن سے پوچھو، اے اہل کتاب، تم اُن لوگوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لائے ہیں؟ تم اِس میں عیب ڈھونڈتے ہو، دراں حالیکہ تم اِس کے گواہ بنائے گئے ہو؟ (اِس پر غور کرو) اور (یاد رکھو کہ) جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔''

منصب رسالت یا منصب شہادت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ منصب کسی رسول کو دیا گیا ہو یا قوم کو، اس کی ذمہ داری پورے کرنے پر دنیا اور آخرت، دونوں جگہ انعام دیے جانے اور اس میں کوتاہی کرنے پر دنیا اور آخرت، دونوں جگہ سزا دیے جانے کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ انفرادی حیثیت میں بھی یہ قانون بیان کیا گیا ہے اور منصب شہادت پر فائز قوم کے لیے اجتماعی حیثیت سے بھی۔ اس قانون کا بیان رسول کی انفرادی حیثیت میں دیکھیے:

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ‌ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدْتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـئًا قَلِيۡلًا اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا نَصِيۡرًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۳-۷۵)

''(اے پیغمبر)، قریب تھا کہ یہ اُس چیز سے ہٹا کر تم کو فتنے میں ڈال دیں جو ہم نے تمھاری طرف وحی کی ہے تاکہ اِس (قرآن) کے سوا تم کوئی دوسری بات ہم پر افترا کر کے پیش کرو۔ اگر تم ایسا کرتے تو یہ ضرور تمھیں اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے تمھیں مضبوط نہ رکھا ہوتا تو بعید نہیں تھا کہ تم بھی اِن کی طرف کچھ جھک پڑو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم تمھیں زندگی اور موت، دونوں کا دہرا عذاب چکھاتے، پھر تم ہمارے مقابلے میں اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔''

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ‌ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى‌ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ‌ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ. (البقرہ ۲: ۱۲۰)

''یہ یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک اِن کا مذہب اختیار نہ کر لو۔ (لہٰذا) کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور (جان لو کہ) اگر تم اُس علم کے بعد جو تمھارے پاس آ چکا ہے، اِن کی خواہشوں پر چلے تو اللہ کے مقابلے میں تمھارا کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ.

(الحاقہ ۶۹: ۴۴-۴۷)

''(ہمارا) یہ (پیغمبر) اگر اپنی طرف سے کوئی بات ہم پر بنا لاتا۔ تو ہم اِس کو قوی ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر اِس کی رگ گردن کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اِس کام سے روک نہ سکتا۔''

چونکہ رسولوں سے ایسی کوئی کوتاہی عموماً نہیں ہوئی، سوائے چند فروگذاشتوں کے، جن پر تنبیہات کی گئیں، اس لیے ان میں سے کسی کو سزا کا سامنا نہیں کرنا پڑا، سوائے حضرت یونس علیہ السلام کے، جن سے ایک کوتاہی ہوئی کہ وہ اپنی قوم پر اتمام حجت کے نتیجے میں آنے والے عذاب کے اعلان کے بعد اس بستی سے خدا کا حکم ملنے سے پہلے ہی نکل آئے۔ رسول، خدا کے حکم کے بغیر بستی نہیں چھوڑ سکتا، یہ اصول تھا جس کی خلاف ورزی ان سے ہوگئی، اس پر انھیں فوراً سزا ملی، وہ کئی دن مچھلی کے پیٹ میں محصور رہے۔ پھر اپنی کوتاہی پر انھوں نے خدا سے معافی طلب کی تو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دوبارہ رب کی رضا اور سرفرازی سے بہرہ یاب ہوگئے۔

دوسرا پہلو اس منصب کی خصوصیت کا یہ ہے کہ رسولوں سے یہ وعدہ بھی کیا گیا ہے کہ وہ اسی دنیا میں اپنے دشمنوں پر لازماً غالب آ کر رہیں گے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيۡ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيۡزٌ. (المجادلہ ۵۸: ۲۱)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑے زور والا اور بڑا زبردست ہے۔''

یعنی منصب رسالت و نبوت ایسا منصب ہے جس پر ادنیٰ کوتاہی پر بھی تنبیہ و سزا فوراً ملتی ہے۔ اور اس منصب کی درست ادائیگی پر اسی دنیا میں غلبہ و سرفرازی عطا ہوتی ہے۔ یہ جزا و سزا کے عام قانون کے برعکس ہے۔ عام قانون میں اسی دنیا میں سزا اور جزا کا ملنا لازمی نہیں ہے، ان کے فیصلے کے لیے آخرت کا دن مقرر کیا گیا ہے۔

اب یہی معاملہ بحیثیت قوم ذریت ابراہیم، یعنی بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل سے کیا گیا۔ منصب نبوت کے لیے چنے جانے کے بعد ان کی کوتاہیوں پر ان کو سزا اسی دنیا میں دی گئی اور ایمان و عمل کا مطلوبہ معیار پورا کرنے پر اسی دنیا میں دولت مندی، سرفرازی کے وعدے کیے گئے۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رسول کے غلبے کا مطلب سیاسی غلبہ نہیں، اس کے مخالفین کا استیصال ہی اس کا غلبہ ہے۔ لیکن منصب شہادت پر فائز اقوام کا غلبہ البتہ سیاسی غلبے کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مذاہب کی معلوم تاریخ میں صرف ذریت ابراہیم ہے جس کو اس منصب کے لیے چنا گیا اور تا قیامت ان کا یہ منصب برقرار ہے۔ ان دونوں عروج و زوال کی تاریخ کو اس قانون کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے لیے اس قانون کا بیان یہ ہے:

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ لَاَكَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا يَعۡمَلُوۡنَ. (المائدہ ۵: ۶۶)

''اور اگر (اپنی اجتماعی حیثیت میں) تورات و انجیل پر اور اُس چیز پر قائم ہو جاتے جو اِن کے پروردگار کی طرف سے اِن پر اتاری گئی ہے تو اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے رزق پاتے۔ (اِس میں شبہ نہیں کہ) اِن میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو راستی پر قائم ہے، لیکن اِن میں زیادہ وہی ہیں جن کے اعمال بہت برے ہیں۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بائیبل میں اس کی مزید تصریح مل جاتی ہے۔ کتاب استثنا میں خدا کا یہ وعدہ اِس طرح بیان ہوا ہے:

''اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات کو جان فشانی سے مان کر اُس کے اُن سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں، احتیاط سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا۔ اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات سنے تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی۔ شہر میں بھی تو مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی مبارک ہوگا... خداوند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں، تیرے روبرو شکست دلائے گا۔ وہ تیرے مقابلے کو تو ایک ہی راستے سے آئیں گے، پر سات سات راستوں سے ہو کر ترے آگے سے بھاگیں گے...اور دنیا کی سب قومیں یہ دیکھ کر کہ تو خداوند کے نام سے کہلاتا ہے، تجھ سے ڈر جائیں گی ...اور خداوند تجھ کو دُم نہیں، بلکہ سر ٹھیرائے گا اور تو پست نہیں، بلکہ سرفراز ہی رہے گا ...لیکن اگر تو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سن کر اُس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں، احتیاط سے عمل کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔ شہر میں بھی تو لعنتی ہوگا اور کھیت میں بھی لعنتی ہوگا... خداوند تجھ کو تیرے دشمنوں کے آگے شکست دلائے گا۔ تو اُن کے مقابلے کے لیے تو ایک ہی راستے سے جائے گا اور اُن کے سامنے سے سات سات راستوں سے ہو کر بھاگے گا اور دنیا کی تمام سلطنتوں میں تو مارا مارا پھرے گا۔'' (۱:۲۵-۲۸)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بنی اسرائیل نے جب خود کو منصب شہادت کا اہل ثابت کیا تو طالوت، داؤد اور سلیمان علیہم السلام کے ادوار میں زبردست سلطنتیں قائم کیں، جس کا رعب و دبدبہ اردگرد کی ریاستوں پر چھایا ہوا تھا۔ قرآن مجید میں ملکۂ سبا اور سلیمان علیہ السلام کا قصہ اسی دور کی ایک داستان ہے۔ بائیبل میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کے برعکس جب کبھی بنی اسرائیل نے ایمان و عمل میں کوتاہیاں برتیں، انھیں ان کے جرم کی نوعیت کے مطابق مختلف سزائیں بھی دی گئیں۔ کبھی بابل کے بادشاہ بنوکدنضر کے ہاتھوں ذلت و رسوائی کا منہ دیکھا تو کبھی رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ درمیان میں انھیں مہلت کے وقفے بھی ملتے رہے۔ ان کی اس حالت کا تسلسل ہمارے دور تک چلا آیا ہے۔

اس سارے معاملے کی ایک خارجی دلیل بھی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا عمومی تکوینی قانون یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار کوئی قوم عروج کے بعد زوال آشنا ہو جائے تو پھر کبھی ویسا عروج نہیں پاتی۔ قدیم دور میں یونان اور روم، اور جدید دور میں برطانیہ اور روس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن اس عمومی کلیہ سے بالکل برعکس، بنی اسرائیل دنیا کی واحد قوم ہے، جس نے اپنی دو ہزار سالہ تاریخ میں عروج و زوال کے کئی ادوار دیکھے۔ یہ وہ محسوس نشانِ حق ہے جو خدا نے ذریت ابراہیم کے ذریعے سے دنیا میں قائم کر رکھا ہے۔

دنیوی نعمت ونکبت کے اسی قانون کا اعلان بنی اسمٰعیل سے بھی کیا گیا، ملاحظہ کیجیے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ. (آل عمران ۳:۱۴۹)

''ایمان والو، اگر اِن منکروں کی بات مانو گے تو یہ تمھیں الٹا پھیر کر رہیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔''

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. (آل عمران ۳:۱۶۰)

''(ایمان والو)، اگر اللہ تمھاری مدد پر ہو تو کوئی تم پر غلبہ نہیں پا سکتا اور وہ تمھیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کرے گا؟ اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

اسی اصول پر جنگ احد اور حنین میں کوتاہی برتنے پر انھیں فوراً سزا بھی ملی، اور تنبیہ ہوتے ہی حالات فوراً ہی ان کے حق میں پلٹ بھی گئے۔ یہ کوتاہی اگرچہ ہر فرد سے صادر نہیں ہوئی تھی، لیکن اجتماعی معاملات میں خدا مجموعی رویے پر فیصلہ صادر کرتا ہے:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰکُمْ فَاَثَابَکُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ. (آل عمران ۳:۱۵۳)

''یاد کرو، جب تم بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر دیکھ بھی نہیں رہے تھے اور اللہ کا پیغمبر (تمھارے پیچھے) تمھارے ہی لوگوں کی ایک دوسری جماعت میں تمھیں پکار رہا تھا (جو اُس کے ساتھ کھڑی تھی) تو اللہ نے تم کو غم پر غم پہنچایا، اِس لیے کہ (اِس امتحان سے گزرنے کے بعد آیندہ) کسی چیز کے ہاتھ سے جانے اور کسی مصیبت کے آنے پر تم رنجیدہ خاطر نہ ہو، اور (یاد رکھو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے باخبر ہے۔''

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ. (التوبہ ۹:۲۵)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمھاری مدد کی ہے۔ ابھی حنین کے دن بھی، جب تم اپنی کثرت پر اترا رہے تھے۔ پھر وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایمان وعمل کے مطلوبہ معیار پر پورا اترنے پران کے لیے دنیوی غلبہ وسرفرازی کا اعلان کیا گیا:

لَقَدُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا. (الفتح ۴۸: ۱۸-۲۳)

’’(تمھیں خوش خبری ہو کہ) اللہ ایمان والوں سے راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اُس وقت اللہ نے جان لیا جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا تو اُس نے اُن پر طمانیت اتار دی اور اُن کو ایسی فتح عطا فرما دی جو عنقریب ظاہر ہونے والی ہے۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی، جن کو وہ حاصل کریں گے۔ اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔ (ایمان والو)، اللہ نے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ تم سے کیا ہے جو تم حاصل کرو گے۔ سو یہ (پہلی فتح کے) غنائم تو اُس نے فوری طور پر تمھیں عطا کر دیے ہیں اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے ہیں کہ یہ موجب طمانیت ہو اور ایمان والوں کے لیے (خدا کی نصرت کی) ایک نشانی بن جائے اور وہ تم کو سیدھی راہ کی ہدایت بخشے۔ اِس کے علاوہ ایک فتح اور بھی ہے جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے، مگر اللہ نے اُس کا احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ منکرین (جن سے تم معاہدہ کر کے آئے ہو)، اگر (اِس موقع پر) تم سے جنگ کرتے تو ضرور پیٹھ پھیرتے، پھر (اپنے لیے) کوئی حامی اور کوئی مددگار نہ پاتے۔ یہ اللہ کی ٹھیرائی ہوئی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے اور اللہ کی سنت میں تم کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔‘‘

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (آل عمران ۳: ۱۳۹)

’’اور (جو نقصان تمھیں پہنچا ہے، اُس سے) بے حوصلہ نہ ہو اور غم نہ کرو، اگر تم مومن ہو تو غلبہ بالآخر تمھیں ہی حاصل ہو گا۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّآ اَذًی وَاِنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ یُوَلُّوۡکُمُ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ. (آل عمران۳:۱۱۱)

’’یہ تمھیں کچھ اذیت دے سکتے ہیں، اِس کے سوا یہ تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔اور (مطمئن رہو کہ) اگر یہ تم سے لڑیں گے تو لازماً پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر اِن کو کہیں سے کوئی مدد نہ ملے گی۔‘‘

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَهُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ. (النور۲۴:۵۵)

’’تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے عمل کیے ہیں، اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو وہ اِس سرزمین میں ضرور اُسی طرح اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو اُس نے عطا فرمایا تھا اور اُن کے لیے اُن کے دین کو پوری طرح قائم کر دے گا جسے اُس نے اُن کے لیے پسند فرمایا ہے اور اُن کے اِس خوف کی حالت کے بعد اِسے ضرور امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھیرائیں گے۔اور جو اِس کے بعد بھی منکر ہوں تو وہی نافرمان ہیں۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بنی اسرائیل سے اس خاص عہد الٰہی کے ظاہری نتائج وشواہد

ان کے جرائم میں انبیا اور رسولوں کا انکار و قتل اور بعض اوقات کھلا شرک کرنا شامل تھا۔اس پر ان کو ذلت ورسوائی، جلاوطنی اور محکومی سے لے کر قتل وقتال تک سب عذاب سہنے پڑے:

وَلَوۡ لَآ اَنۡ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمُ الۡجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَلَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ. (الحشر۵۹:۳)

’’اور اگر اللہ نے اُن کے لیے (اِسی طرح) جگہ جگہ سے اجڑنے کی سزا نہ لکھ دی ہوتی تو وہ اُنھیں دنیا ہی میں عذاب دے ڈالتا اور قیامت میں تو اُن کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ہی۔‘‘

مختلف ادوار میں مختلف جرائم پر ان کو درج ذیل سزائیں ملیں:

i۔ مثلاً، دریا کے کنارے بسنے والے ان میں سے کچھ لوگوں نے جب شریعت کے ایک حکم، یعنی سبت کے دن کی

مسلسل خلاف ورزی، کی تو انھیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا:

وَ لَقَدُ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِی السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَھُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً خٰسِئِیۡنَ. (البقرہ۲:۶۵)

''اور تم اُنھیں بھی جانتے ہی ہو جنھوں نے تمھارے لوگوں میں سے سبت کی بے حرمتی کی تو ہم نے اُن سے کہا: جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ۔''

ii۔ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنے پر یہ سزا ملی:

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِھَا وَ قِثَّآئِھَا وَ فُوۡمِھَا وَ عَدَسِھَا وَ بَصَلِھَا قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِیۡ ھُوَ اَدۡنٰی بِالَّذِیۡ ھُوَ خَیۡرٌ اِھۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَکُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ وَضُرِبَتۡ عَلَیۡھِمُ الذِّلَّۃُ وَالۡمَسۡکَنَۃُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّکَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ. (البقرہ۲:۶۱)

''اور یاد کرو، جب تم نے کہا: اے موسیٰ، ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے۔ سو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ یہ سبزی، ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز جو زمین اگاتی ہے، وہ اِن چیزوں میں سے ہمارے لیے نکال کر لائے۔ اُس نے کہا: تم ایک بہتر چیز کو کم تر چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو؟ (اچھا تو جاؤ)، کسی مصر ہی میں جا رہو۔ اِس لیے کہ یہ جو کچھ تم مانگتے ہو، وہاں تم کو مل جائے گا۔ (وہ یہی کرتے رہے) اور اُن پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کا غضب کما لائے۔ یہ اِس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے تھے اور اُس کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اِس وجہ سے ہوا کہ اُنھوں نے نافرمانی کی اور (وہ اللہ کی ٹھیرائی ہوئی) کسی حد پر نہ رہتے تھے۔''

iii۔ جہاد کے حکم سے منہ پھیرنے پر یہ سزا ملی:

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا وَّاٰتٰکُمۡ مَّا لَمۡ یُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ یٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَۃَ الَّتِیۡ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰی

''(اپنے جرائم کی پاداش سے ڈرو، اے اہل کتاب)، اور یاد کرو وہ واقعہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: میری قوم کے لوگو، اپنے اوپر اللہ کی اِس نعمت کا خیال کرو کہ اُس نے تم میں نبی بنائے اور تمھیں بادشاہ ٹھیرایا ہے اور تمھیں وہ کچھ دے دیا ہے جو دنیا والوں میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اَدۡبَارِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ فِیۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰی یَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَیۡهِمُ الۡبَابَ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّکُمۡ غٰلِبُوۡنَ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِیۡهَا فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیۡهِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ.
(المائدہ ۵: ۲۰-۲۶)

سے اُس نے کسی کو نہیں دیا ہے۔ میری قوم کے لوگو، (اِس کے لیے) اُس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھ پر الٹے نہ پھرو، ورنہ نامراد ہو جاؤ گے۔ اُنھوں نے جواب دیا: موسیٰ، اُس میں بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، ہم اُس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے، جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہاں، اگر وہ نکل جائیں تو ہم یقیناً داخل ہو جائیں گے۔ ان ڈرنے والوں میں دو شخص، البتہ ایسے تھے جن پر خدا کی عنایت تھی، اُنھوں نے کہا: تم (اِس شہر کے) لوگوں پر چڑھائی کر کے اِس کے دروازے میں گھس جاؤ، جب تم اُس میں گھس جاؤ گے تو تمھی غالب رہو گے اور اللہ ہی پر بھروسا کرو، اگر تم اُس کے ماننے والے ہو۔ لیکن اُنھوں نے پھر یہی کہا کہ موسیٰ، جب تک وہ وہاں موجود ہیں، ہم اُس میں کبھی داخل نہ ہوں گے، اِس لیے تم اور تمھارا پروردگار، دونوں جاؤ اور لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اِس پر موسیٰ نے دعا کی: پروردگار، میری ذات اور میرے بھائی کے سوا کسی پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے، لہٰذا تو ہمیں اور اِن نافرمان لوگوں کو الگ الگ کر دے۔ فرمایا: یہی بات ہے تو یہ سرزمین چالیس برسوں کے لیے اِن پر حرام ہے، یہ زمین میں مارے مارے پھریں گے، اِس لیے (اب) اِن نافرمانوں پر افسوس نہ کرو۔"

iv۔ انبیا کے قتل پر یہ ذلت ورسوائی کی سزا ملی:

ضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّةُ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا

"اِنھیں جہاں دیکھیے، اِن پر ذلت کی مار ہے، الّا یہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّ كَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ. (آل عمران ۳:۱۱۲)

کہ اللہ کی رسی تھام لیں اور اُن لوگوں کی رسی تھام لیں (جنھوں نے اللہ کی رسی تھام لی ہے)۔ یہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں اور اِن پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیتوں کے منکر رہے ہیں اور اُس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں، اِس لیے کہ اِنھوں نے نافرمانی کی اور یہ ہمیشہ حد سے بڑھتے رہے ہیں۔''

چنانچہ مسیح علیہ السلام اور بعد از اں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار اور مخالفت پر انھیں ذلت و محکومی کی سزا اسی ضابطے کے تحت ملی۔ مسیح کے انکار و مخالفت کی پاداش میں اسیری اور مسیح کے متبعین کے تحت تا قیامت محکومی کی سزا لکھ دی گئی۔ قتل و قتال اس محکومی کی سزا کا ابتدائیہ ہوتا تھا:

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰٓى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ.

(آل عمران ۳:۵۵-۵۶)

''اُس وقت، جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور (تیرے) اِن منکروں سے تجھے پاک کروں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کو بالآخر میرے پاس آنا ہے۔ سو اُس وقت میں تمھارے درمیان اُن چیزوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ پھر یہی نہیں، اِن منکروں کو میں دنیا اور آخرت، دونوں میں سخت سزا دوں گا، اور وہ کوئی مددگار نہ پائیں گے۔''

چنانچہ، مسیح علیہ السلام کے رخصت ہو جانے کے بعد رومی حکومت نے مسلسل ان کے ساتھ ذلت آمیز، اور ظالمانہ سلوک روا رکھا، جس کی انتہا ۷۰ عیسوی میں رومی شہنشاہ، طیطاؤس (Titus) کے یروشلم پر حملے کی صورت میں ہوئی، جس میں یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، اور یہ منکرین ذلت آمیز زندگی گزار کر مرے۔

پھر یہی سزا انھیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور ان کے ساتھ قتال کے جرم کے نتیجے میں جزیرۂ عرب

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.com

میں دی گئی:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ. (التوبہ۹:۲۹)

''(اِن مشرکوں کے علاوہ) اُن اہل کتاب سے بھی لڑو جو نہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اللہ اور اُس کے رسول کے حرام ٹھیرائے ہوئے کو حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (اُن سے لڑو)، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ماتحت بن کر رہیں۔''

۷۔ شرک کرنے پر ان کے مشرکین کو قتل کی وہی سزا دی گئی جو دیگر مشرک اقوام کو بھی ملی تھی، جن پر رسولوں کے ذریعے سے اتمام حجت ہوتا ہے۔ مثلاً جب انھوں نے بچھڑے کی پوجا کی تو شرک کے مرتکبین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (البقرہ۲:۵۴)

''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: میری قوم کے لوگو، تم نے یہ بچھڑا بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اِس لیے اب اپنے خالق کی طرف لوٹو اور (اِس کے لیے) اپنے اِن لوگوں کو (اپنے ہاتھوں سے) قتل کرو۔ یہ تمھارے لیے تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔ (چنانچہ تم نے یہ کیا) تو اُس نے تمھاری توبہ قبول فرمائی۔ بے شک، وہی بڑا معاف کرنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

مولانا عمار خان ناصر لکھتے ہیں:

''اسی قانون کے تحت موسوی شریعت میں مشرکانہ اعمال ورسوم میں ملوث ہونے والوں کے لیے موت کی سزا مقرر کی گئی تھی۔ تورات میں ہے:

''پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا تو بنی اسرائیل سے یہ بھی کہہ دے کہ بنی اسرائیل میں سے یا ان پردیسیوں میں سے جو اسرائیلیوں کے درمیان بود و باش کرتے ہیں، جو کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کو مولک کی نذر کرے، وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ اہل ملک اسے سنگسار کریں۔'' (احبار۲۰: ۱،۲) (جہاد: ایک مطالعہ ۳۹)

قتل کی سزا رسول کے اتمام حجت کے بعد شرک پر اصرار کرنے کے جرم کے ساتھ خاص ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ رسول کے اتمام حجت کے بعد اس کے منکرین کے قتل کی سزا شرک کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس قانون کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا. (النساء ۴:۴۸)

''اللہ اِس بات کو نہیں بخشے گا کہ (جانتے بوجھتے کسی کو) اُس کا شریک ٹھیرایا جائے۔ اِس کے نیچے، البتہ جس کے لیے جو گناہ چاہے گا، (اپنے قانون کے مطابق) بخش دے گا، اور (اِس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ) جو اللہ کا شریک ٹھیراتا ہے، وہ ایک بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے۔''

یہ قیامت کبریٰ کا بیان ہے۔ دنیا میں رسولوں کے اتمام حجت کے بعد جو قیامت صغریٰ برپا ہوتی ہے اس کا مقصد بھی قیامت کبریٰ کا منظر قائم کرنا ہوتا ہے، چنانچہ قیامت صغریٰ کے ضوابط بھی وہی مقرر کیے گئے ہیں جو قیامت کبریٰ کے ہیں۔ شرک کی معافی قیامت کبریٰ میں بھی نہیں ہے، اس لیے اس کی کوئی رعایت یہاں بھی نہیں دی گئی۔ چنانچہ دنیا میں بھی مشرکین جن پر اتمام حجت ہو چکا ہو، کے لیے یہی حکم دیا گیا کہ:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبہ ۹:۵)

''تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

رسولوں کی جتنی اقوام پر استیصال کا عذاب آیا، ان تمام کی تباہی کی وجہ اتمام حجت کے بعد شرک پر اصرار تھا۔ سورۂ اعراف میں دیکھیے ہر رسول اپنی قوم کو ایک ہی پیغام دے رہا ہے کہ شرک چھوڑ کر ایک خدا کو مانو۔ چنانچہ تقریباً ہر رسول کی زبان سے یہ آیت قرآن نے نقل کی ہے:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ. (۷:۶۵)

''اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔''

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اہل کتاب کو اگر استیصال کی سزا نہیں دی گئی، تو وجہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب مشرک نہیں تھے۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ جب اہل کتاب کے ایک گروہ نے شرک اختیار کیا تو ان پر بھی استیصال کا

عذاب ہی آیا، یعنی اس وقت جب انھوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا تھا۔ اسی طرح تاریخ کے کسی بھی دور میں جب کبھی انھوں نے شرک اختیار کیا تو تنبیہی عذابوں کے بعد قتل کا عذاب ہی ان پر آتا رہا۔ لیکن ہوتا یہ تھا کہ قتل کا عذاب مسلط ہو جانے کے بعد وہ متنبہ ہو جاتے، توبہ اور رجوع کرتے تھے، توحید اور اطاعت کی طرف لوٹ آتے، اس لیے قتل کا عذاب پوری قوم کے استیصال کی صورت اختیار نہیں کر لیتا تھا۔ قتل کا عذاب جب آندھی طوفان یا زلزلے جیسی قدرتی طاقتوں کے بجاے انسانی ہاتھوں سے دیا جا رہا ہو تو اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کے سب مشرکین کا بیک قلم خاتمہ عذاب کی پہلی شکل کی طرح ہو جائے۔ انسانی ہاتھوں سے مسلط کردہ اس قتل و غارت میں توبہ کرنے کی گنجایش مل جاتی ہے، جیسا کہ سورۂ توبہ میں مشرکین عرب پر آخری عذاب کے طور پر جب قتال کا حکم آیا تو اس کے لیے قید و بند کا بھی ایک بندوبست کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور آخر تک توبہ قبول کرنے کا موقع دیا گیا:

فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ. (التوبہ ۹:۵)

''(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان براءت) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

چنانچہ صحابہ نے مشرکین عرب کے ساتھ یہی کیا، مشرکین عرب کے لیے اسلام یا موت کے سوا کوئی تیسرا انتخاب نہیں تھا:

قُلۡ لِّلۡمُخَلَّفِيۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ تُقَاتِلُوۡنَهُمۡ اَوۡ يُسۡلِمُوۡنَ فَاِنۡ تُطِيۡعُوۡا يُؤۡتِكُمُ اللّٰهُ اَجۡرًا حَسَنًا وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا كَمَا تَوَلَّيۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا. (الفتح ۴۸:۱۶)

''یہ جو اہل بدو میں سے پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے، اِن سے کہنا کہ عنقریب تمھیں ایسے لوگوں سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا جو بڑے زور آور ہیں۔ تم اُن سے لڑو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ پھر اگر تم نے حکم کی اطاعت کی تو اللہ تمھیں اچھا اجر دے گا اور اگر (کہیں اُس وقت بھی) سرتابی کی، جیسے پہلے سرتابی کر چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک عذاب سے دوچار کر دے گا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شرک کرنے کے باوجود بھی بنی اسرائیل کے مکمل استیصال کی نوبت نہیں آئی، وجہ یہ تھی کہ قتل و اسیری کا عذاب آتے ہی انھیں تنبیہ ہو جاتی، ایمان و عمل کی کوتاہیاں دور کرتے، یا کم از کم توحید بحال کرتے اور یوں وہ سارے کے سارے قتل ہونے سے بچ جاتے تھے۔

قرآن مجید کی رو سے ہم جانتے ہیں کہ مشرکین عرب کا بھی یہ حال تھا کہ جب کسی سخت آفت میں گرفتار ہو جاتے، تو سارے معبودان باطل کو بھلا کر ایک خدا کو پکارنے لگتے تھے:

قُلۡ مَنۡ یُّنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَہٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَۃً لَئِنۡ اَنۡجٰنَا مِنۡ ہٰذِہٖ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ. (الانعام ۶:۶۳)

''ان سے پوچھو کہ بحر و بر (میں آفات و مصائب) کی تاریکیوں سے کون تمھیں بچاتا ہے، جبکہ تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے اُسے پکار رہے ہوتے ہو کہ اگر اُس نے اِس مصیبت سے ہمیں بچا لیا تو ہم ضرور اُس کے شکرگزار بندے بن کر رہیں گے؟''

کچھ ایسے ہی رویے کا اظہار اہل کتاب سے بھی ہوتا تھا۔ جب وہ اپنی ایمان و عمل کی کوتاہیوں کی وجہ سے وہ کسی بڑی مصیبت کا شکار ہو جاتے تو رجوع کر لیتے اور مصیبت سے نجات پا جاتے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

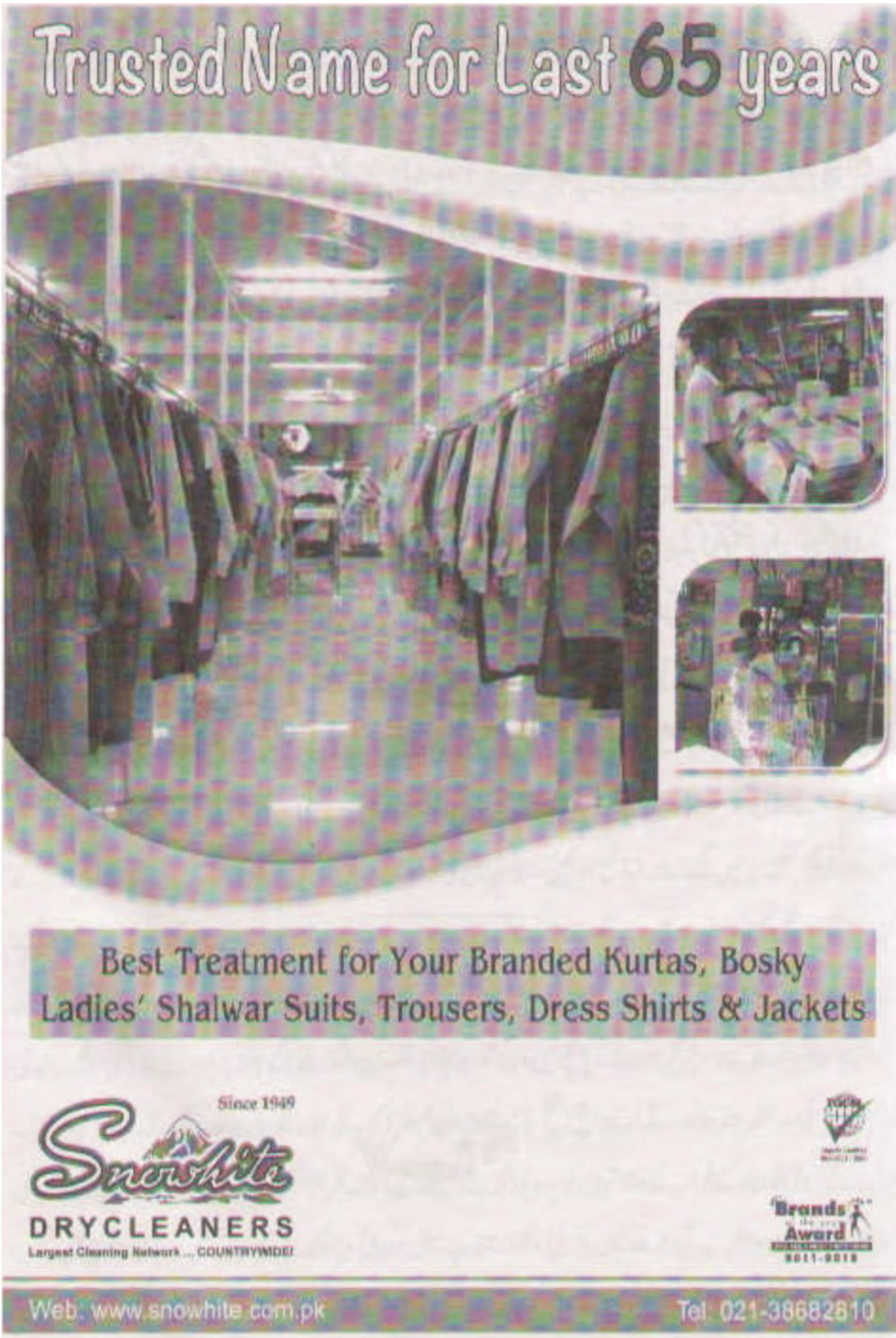
Trusted Name for Last 65 years
Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets
Since 1949
Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!
Web: www.snowhite.com.pk
Tel: 021-38682810

Monthly
ISHRAQ
Lahore

July 2017
Vol.29 No.7
Regd. No. CPL- 183

Publisher : Javed Ahmad Ghamidi Printers : Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore

لئِن شَكَرْتُم لَأَزِيدَنَّكُم
اگر شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا (القرآن)

PRAISE BE TO ALLAH, LORD OF THE WORLDS

within 250 days
150+
keep counting...

ALLIED SCHOOLS
Project of Punjab Group of Colleges

Allied Pre School
Allied School

Growing Together

Ar-Rahman Campus-JHELUM
Outside Classroom Education
Inter-Campus Transfer
Sahi Campus-SHAHKOT
Al-Fajar Campus-LAHORE
Ghazi Campus-OKARA
Rehman Campus-GUJRANWALA
Pak Campus-LAHORE
Web Portal
Parent-Teacher Meetings
Harbanspura Classic Campus-LAHORE
Sialkot Campus-SIALKOT
Al-Miraj Campus-LAHORE
Sibling Discount
Sir Syed Campus-LAHORE
Capital Campus-ISLAMABAD
Ellahabad Campus-ELLAHABAD
Cantt Campus-GUJRANWALA
Ferozpur Road Campus-LAHORE
Raiwand Road Campus-LAHORE
Sargodha Road Campus-FAISALABAD
Farooqabad Campus-FAROOQABAD
Marrium Campus-JOHARABAD
Jhelum Campus-JHELUM
Spoken English
Character Building
Grace Campus-LAHORE
Gojra Campus-GOJRA
Lodhran Campus-LODHRAN
Bhimber Campus-BHIMBER
Shakargarh Campus-SHAKARGARH
Standardized Curriculum
Shahlimar Campus-FAISALABAD
Sahiwal Campus-SAHIWAL
Entry Test Preparation
DC Road Campus-GUJRANWALA
Ali Pur Chattah Campus-ALI PUR CHATTAH
Al-Ahmad Campus-LAHORE
Bahawalpur Campus-BAHAWALPUR
Mock Assessment
Educational Insurance
Tulip Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-GUJRANWALA
Bilal Campus-BHALWAL
Professional Development of Teachers
Zafarwal Campus-ZAFARWAL
Attendance by SMS
Concept-Based Teaching
Wapda Town Campus-GUJRANWALA
Exclusive Early Years Education
Burewala Campus-BUREWALA
Husnain Campus-SAMBRIAL
Bedian Campus-LAHORE
Peshawar Road Campus-RAWALPINDI
Gulshan-e-Ravi Campus-LAHORE
Samanabad Campus-LAHORE
Sadar Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-RAWALPINDI
GT Road Campus-GUJRANWALA
Kamalia Campus-KAMALIA
Extra & Co-curricular Activities
Ar-Raheem Campus-DINA
Walton Campus-LAHORE
Johar Town Campus (South)-LAHORE
Merit Scholarships
Career-Path Counseling
Akbar Campus-VEHARI
Hyderabad Campus-HYDERABAD
Samanabad Campus-FAISALABAD
Kamoke Campus-KAMOKE
Chauburji Campus-LAHORE
Sargodha Campus-SARGODHA
Dunyapur Campus-DUNYAPUR
Peoples Colony Campus-FAISALABAD
Hafizabad Campus-HAFIZABAD
Chichawatni Campus-CHICHAWATNI
Wazirabad Campus-WAZIRABAD
Subhan Campus-PATTOKI
PECO Road Campus-LAHORE
Art, Craft & Music
Allama Iqbal Town Campus-LAHORE
International Standards
Peoples Colony Campus-GUJRANWALA
Kasur Campus-KASUR
Al-Fatah Campus-KOT ABDUL MALIK
Dinga Campus-DINGA
Johar Town Campus (North)-LAHORE
Kotla Campus-KOTLA ARAB ALI KHAN
Thana Campus-MALAKAND AGENCY
Ahmed Campus-RAHIM YAR KHAN
Faisalabad Campus-FAISALABAD
Muridke Campus-MURIDKE
Salaar Campus-RAWALPINDI
Swat Campus-SWAT
Lalamusa Campus -LALAMUSA
Madina Campus-FAISALABAD
Teaching through Animation
Fatima Campus-DASKA
Adyala Campus-RAWALPINDI
Oasis Campus-BAHAWALPUR
Taunsa Campus Campus-TAUNSA SHARIF
Mumtaz Campus-MULTAN
Health & Hygiene Guidance
Rahim Yar Khan Campus-RAHIM YAR KHAN
English Medium
Jalal Pur Jattan Campus-JALAL PUR JATTAN
Bukhtiyari Campus-LAHORE
Narowal Campus-NAROWAL
Jinnah Campus-NOWSHERA VIRKAN
Malakwal Campus-MALAKWAL
Sadiqabad Campus-SADIQABAD
DG Khan Campus-DERA GHAZI KHAN
Gujrat Campus (South)-GUJRAT
Mirpur Campus-MIRPUR AZAD KASHMIR
Playgroup to University Education
Quaid Campus-TOBA TEK SINGH
Model Town Campus-GUJRANWALA
Mandi Bahauddin Campus-MANDI BAHAUDDIN
Mouaz Campus-MANANWALA
Al-Ghaffar Campus-SARA-E-ALAMGIR
Bhakkar Campus-BHAKKAR
Chanab Campus-PARHIANWALI
Qila Didar Singh Campus-QILA DIDAR SINGH
Zaimas Campus-SHEIKHUPURA
Hujra Shah Muqeem Campus-HUJRA SHAH MUQEEM

Group Corporate Office: Allied Schools & Punjab Colleges. 64-E-I, Gulberg III, Lahore - Pakistan. Ph: 042 35756357-58.

www.alliedschools.edu.pk